SENATE OF PAKISTAN

SENATE DEBATES

Wednesday, February 24, 1993

The Senate of Pakistan met in the Senate Hall (Parliament House) Islamabad, at twenty five minutes after ten of the clock in the morning, with Mr. Chairman (Mr. Wasim Sajjad) in the Chair.

Recitation from the Holy Quran.

بسم اللہ الرحمن الرحیم -

واذا سالک عبادی عنی فانی قریب اجیب دعوۃ الداع اذا
دعان فلیستجیبوالی والیؤمنوا بی لعلھم یرشدونo

ترجمہ : اور (اے پیغمبر) جب تم سے میرے بندے میرے بارے میں دریافت کریں تو (کہہ دو کہ) میں تو (تمہارے) پاس ہوں - جب کوئی پکارنے والا مجھے پکارتا ہے تو میں اس کی دعا قبول کرتا ہوں تو ان کو چاہیئے کہ میرے حکموں کو مانیں اور مجھ پر ایمان لائیں تا کہ نیک رستہ پائیں -

SENATE OF PAKISTAN

SENATE DEBATES

Wednesday, February 24, 1993

The Senate of Pakistan met in the Senate Hall (Parliament House) Islamabad, at twenty five minutes after ten of the clock in the morning, with Mr. Chairman (Mr. Wasim Sajjad) in the Chair.

Recitation from the Holy Quran.

بسم الله الرحمن الرحيم -

واذا سالك عبادى عنى فانى قريب اجيب دعوة الداع اذا
دعان فليستجيبوالى واليؤمنوا بى لعلهم يرشدونo

ترجمہ : اور (اے پیغمبر) جب تم سے میرے بندے میرے بارے میں دریافت کریں تو (کہہ دو کہ) میں تو (تمہارے) پاس ہوں - جب کوئی پکارنے والا مجھے پکارتا ہے تو میں اس کی دعا قبول کرتا ہوں تو ان کو چاہئیے کہ میرے حکموں کو مانیں اور مجھ پر ایمان لائیں تا کہ نیک رستہ پائیں -

LEAVE OF ABSENCE

جناب چیئرمین: Leave applications. جی مہر خداداد خان لک صاحب نے نجی مصروفیات کی بناء پر مورخہ ۱۸ تا ۲۵ فروری کیلئے ایوان سے رخصت کی درخواست کی ہے - کیا آپ ان کی رخصت منظور فرماتے ہیں ؟

(رخصت منظور کی گئی)

جناب چیئرمین : اس کے علاوہ میر ہزار خان بجارانی صاحب نے اطلاع دی ہے کہ وہ سرکاری دورے پر ملک سے باہر جا رہے ہیں اس لئے ۲۴ فروری تا ۴ مارچ اجلاس میں شرکت نہیں کر سکیں گے -

POINT OF ORDER: RE; MIS-REPORTING OF SPEECH OF A SENATOR

جناب چیئرمین: کل بہرہ ور سعید صاحب کی تقریر تو ختم ہو چکی تھی -

ڈاکٹر محمد ریحان : پوائنٹ آف آرڈر جناب چیئرمین -

جناب چیئرمین : جی ڈاکٹر ریحان صاحب -

ڈاکٹر محمد ریحان : مجھے افسوس ہے کہ اس میں ایوان کا تھوڑا وقت صرف ہو جائے گا لیکن یہ بڑی ضروری بات ہے آپ کی توجہ مبذول کرانا ضروری سمجھتا ہوں - جناب یہ مسودہ جب کل شام کو مجھے مل گیا ہاؤس کی ۲۲ تاریخ کی کارروائی کا تو پڑھتے وقت مجھے بڑی حیرت ہوئی -

جناب چیئرمین : دیکھیں اگر کوئی غلطی ہے تو آپ نشان دہی کریں پھر درست کر دیا جائے گا -

ڈاکٹر محمد ریحان : نہیں جناب وہ نہیں ہے وہ بات صحیح ہے بات درستی کی نہیں ہے جناب میرے نام کا ساتھ ایک بات منسوب کی گئی ہے جو میں نے کہی ہی نہیں تھی ۔

جناب چیئرمین : وہ ٹھیک کر دیں یہ ہی تو میں کہہ رہا ہوں یعنی آپ اگر درستی کر دیں گے تو یہ جو آپ کو ڈرافٹ دیا ہے اسی لئے دیا ہے کہ آپ اس کو درست کر دیں جو غلطی ہے صحیح کر دیں جو آپ صحیح کرنا چاہتے ہیں اس کو صحیح کر دیں۔

ڈاکٹر محمد ریحان : جناب میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کیا مشین میں کوئی خرابی ہے یا ریکارڈنگ میں ؟

جناب چیئرمین : جی ہے ناں اس لئے تو آپ کو دیا جاتا ہے ۔

ڈاکٹر محمد ریحان : دوسری بات یہ ہے جناب والا! شاید کہ کل جس طرح ایک اخبار نے لکھا تھا کہ ان سب کی اوسط عمر ۷۰ سال کی ہے تو شاید وہ اس مفروضے پر یا غلط فہمی پر کہ شاید ان کا حافظہ جو ہے کمزور ہے خدا کے فضل سے میرے ساتھیوں کا حافظہ بہت اچھا ہے اور کم از کم مجھ سے اچھا ہے اور میرا بھی اتنا خراب نہیں کہ وہ تین دن پہلے کی بات میں بھول جاؤں تو میں یہ جناب آپ کی توجہ اس طرف مبذول کرانا چاہتا تھا ۔

جناب چیئرمین : اس میں ہوتا یہ ہے جی کہ چونکہ اس وقت ریکارڈ ہوتا ہے غلطی ہو جاتی ہے تو مقصد یہ ہے کہ آپ اس کو درست کر دیں تا کہ آپ کا درست کردہ ورشن جو ہے وہ پھر فائل ریکارڈ میں آ جائے۔

ڈاکٹر محمد ریحان : تو جناب میں یہ ضروری سمجھتا ہوں وہ یہ دیکھتے ہیں کہ ان کی اوسط عمر ۷۰ سال ہے تو اس عمر ۷۰ سال میں بے شک لوگوں کو senile شروع ہو جاتی ہے۔ لیکن خدا کے فضل سے ہم جتنے ساتھی ہیں۔ وہ ماشاء اللہ جسمانی طور پر بھی اور ذہنی لحاظ سے بھی ٹھیک ہیں۔

جناب چیئرمین : ہم اصل میں کوشش یہ کر رہے ہیں کہ جو ریکارڈ ہے وہ جلدی تیار ہو جائے اس لئے آپ کو دیا جاتا ہے کہ کوئی درستی کرنی ہے تو فوراً درستی کر دیں یا جو ریکارڈ ہمارا فائنل بنے گا اس میں آپ کی صحیح ورشن آ جائے۔

ڈاکٹر محمد ریحان : آپ جانتے ہیں کہ آئندہ لوگ اس کو پڑھیں گے آپ سمجھ گئے ہوں گے جی شکریہ جی۔

FURTHER DISCUSSION ON THE ADDRESS OF THE PRESIDENT

جناب چیئرمین : بالکل جی۔ اچھا جی آج جام کرار الدین صاحب۔

جناب عبدالرحیم خان مندوخیل: جناب چیئرمین آج کے نام بول دیں۔

جناب چیئرمین : آج کے جو نام ہیں اس لسٹ میں تو اس طرح ہیں کہ جام کرار الدین صاحب ہیں، گچکی صاحب آج بولنا چاہتے ہیں، فتح محمد خان صاحب ہیں، وردگ صاحب ہیں، نام تو بہت ہیں لیکن آج آپ بولنا چاہتے ہیں تو آپ کو موقع دیں گے۔

جناب عبدالرحیم خان مندوخیل: جناب ایسے موقع پر نہ ہو کہ جناب والا! کہ نماز پڑھنے کا وقت ہو اور سب لوگ نکل جائیں۔ پھر میں جناب والا کورم کا سوال اٹھاؤں گا۔

جناب چیئرمین : آپ کیوں اٹھاتے ہیں آپ ان کو سنانا چاہتے ہیں تقریریں یا پاکستان کو سنانا چاہتے ہیں۔

جناب عبدالرحیم خان مندوخیل: جناب اس ہاؤس کا حق ہے کہ ایک دوسرے کو سنیں۔

جناب چیئرمین : اچھا جی، اور کون آج بولنا چاہیں گے اور میں چاہوں گا کہ کل اس بحث کو فائنلائز کر لیں یعنی کل کے بعد اگر کوئی رہ بھی جاتے ہیں تو آپ کو sacrifice کرنا پڑے گی تا کہ کل اس کو conclude کر دیا جائے۔ تو آج جو بولنا چاہتے ہیں ان میں جام صاحب ہیں، گچکی صاحب ہیں، شہزاد گل صاحب ہیں، مندوخیل صاحب ہیں۔

ڈاکٹر محمد ریحان : جناب کل آپ ختم کرنا چاہتے ہیں تو کل ہمیں چار پانچ بجے تک خیر ہے اگر ضرورت پڑ گئی تو-----

جناب چیئرمین : ٹھیک ہے کر لیتے ہیں مجھے اس میں کوئی اعتراض نہیں ہے۔ لیکن کوشش کریں آج جتنے نکل جائیں۔ جی جناب جام صاحب مجھے کوئی اعتراض نہیں آپ چھ بجے تک چلائیں اور کم از کم دن کے وقت تو دو تین بجے تک چار بجے تک چل سکتے ہیں بغیر بریک کے ٹھیک ہے ناں جی۔

چوہدری عبدالغفور : جناب والا! جیسے کہ آپ کو علم ہے کہ کل ۲۵ کو ہائی کورٹ بار کے الیکشن ہیں تو اس میں ووٹ ڈالنے کے لئے جانا ہے کل 12:30 پر وائنڈ اپ ہو جائے جی تا کہ ساڑھے بارہ بجے اگر یہاں سے چلیں تو ایک بجے والی فلائٹ پر پہنچ سکیں۔

جناب چیئرمین : آپ دونوں جا رہے ہیں ووٹ ڈالنے۔

چوہدری عبدالغفور : جی دونوں جا رہے ہیں جی۔ اس لئے آپ آدھا گھنٹہ پہلے شروع کر لیں ساڑھے نو شروع کر لیں۔

جناب چیئرمین : چلیں یہ کر لیتے ہیں ، کوشش کرنے میں جی۔ جی جناب جام صاحب۔

Jam Kararuddin: Thanks Mr. Chairman. Sir, the honourable President's speech at the commencement of every parliamentary year is no ceremonial formality, but it is a

constitutional requirement under Article 56 sub-Article (3) of the Constitution of Pakistan. In that Address the honourable President throws light on the performance of one organ of the Government, i.e., Executive and places before the other organ of the State, legislature the performance of the Executive of the last year and the plans and programmes of the development for the coming year for consideration and discussion. Sir, the honourable President in that very Address has pointed out so many merits and de-merits of the performance of the Government. He has made a particular reference about the development of a democratic culture. On this subject matter I would dilate that in order to say that in this country since inception of Pakistan no development of democratic culture has been made. I will take you back to the political history of Pakistan and I would like to say and express that more than half of the life of Pakistan remained under the rules of dictators. And then after that twice the fragile sappling of democracy was planted by our rulers in the past and that very fragile sappling of democracy was uprooted by themselves. In the recent past the two popularly elected Assemblies were dissolved. Under these circumstances to expect that there has been no development of democratic culture in the country amounts to self-deception. In our country democracy has not been given enough time to flourish and take its deep roots in the public fields. Democracy is a continuing process which requires so many years to grow in a strong and stout tree, but before it grows into a strong and stout tree that very fragile sappling of democracy was twice uprooted by the very rulers. He has also been pointed out the weaknesses of electoral rules. No doubt, Sir, I agree that there

are so many anomalies, weaknesses in the electoral rules because the success of democracy depends upon the character, ability and talent of elected representatives.

There is a qualification even for a clerical job, there is a qualification even for a teacher of a primary school but there is no qualification for the elected representative to the Assemblies. In my humble opinion, Mr. Chairman, Sir, anybody contesting in the election of Provincial Assemblies or Senate or National Assembly must be a Graduate one. Secondly, the electoral process, no doubt, is a very very expensive now a days. I may tell you, Mr. Chairman, Sir, that there are only sixty/seventy families in Pakistan who are in a position to contest elections and always they come out successful because this process has been a prerogative of a privileged and rich class of people. Therefore the electoral process must be reviewed to make its more effective a reprersentation in the national politics. Furthermore, the Election Commission should be reconstituted with national consensus but I would go a step further that the tenure of the legislature should be slashed down from five years to four years by a constitutional amendment so that the democracy should have a chance and opportunity for flourishing in our country.

Mr. Chairman, Sir, you know very well that we as a nation have made tremendous sacrifices for the undiluted parliamentary system and not for Presidential form of system. We have tried and tested two presidential system of government which have proved to be suicidal in the country and the only undiluted parliamentary system of government is

suitable for the indigenous people of Pakistan and for which we all must try to work and enforce that system of the government and should not think about any other form of government. Here Sir, it would not be out of context to mention that law regarding the restoration of the women seats in Senate have not come as yet despite so many promises are made. There is the Minister for Law and Parliamentary Affairs, I would request him to bring that law so that 52% of the population of the women should have an opportunity of participation in the main stream of the national politics. And furthermore, I will request the honourable Law Minister also to introduce maximum legislation in this House rather than in the National Assembly.

Sir, unfortunately in our country the politics has developed in the personal animosities; look at the past two years performance of the government. I am constrained to say that our country's Prime Minister should take all political parties together in the best interest of the nation and the country. But if the Prime Minister of the country utters these words that whenever I hear the words of Pakistan Peoples Party my blood is boiling or I am not going to make any rapproachment or enter into any working relationship with the Leader of the Opposition then I feel these words should not be uttered from a man like a Prime Minister. These on the contrary display that our Prime Minister deplorably lack the political acumen and this utterance should not have been made from the Prime Minsiter of the country. The relationship according to Islam, between the Prime Minister and the Leader of the Opposition is that of a brother and sister. They sit in

Parliament at the distance of one meter away from each other but they do not wish to talk with each other, do not wish to greet each other, they do not like to say hello, hello to each other, this is not a essence of democratic system. Democracy demands that toleration, mutual respect, accommodation. But now a better sense prevails on the government side and they have made certain headway towards the rapproachment with the opposition parties. No doubt I am very glad. It is a good omen for running the democratic institutions and democracy in a peaceful and smooth and harmonious manner. Now, when Pakistan was found by the treasury benches isolated on international plane then they have made, some rapproachment with their opposition leader. I would mention that this is a very good omen for democracy as I have already stated before you Sir, and it will go a long way to strengthen and reinforce the democracy and democratic institutions.

Now, Sir, I will go further and invite your kind attention to the menace of growing population in our country and this menace of population explosion has no doubt assumed alarming proportions in the country. If we want to make our tomorrow a better tomorrow, if we want to make our tomorrow a prosperous tomorrow, a progressive tomorrow, if we want to make our future generation a prosperous generation then we will have to grapple with the problem on a war footing. Sir, I am reminded of the words of Mr. Huxley, a renowned economist, that as long as the relationship between the population and the natural resources of the country remains hopelessly unfavourable, it is difficult for democracy to take its roots in that country. Sir, you will be astonished to know

latest report of United Nations that today the world population is 5.5 billion if it is not arrested its growth then it will be 10.5 billion with the year 2025. If it is not checked then the world population still will increase upto 10 billion by about 2050 year.

Mr. Chairman Sir, some 42 to 43 years ago the population of the West Pakistan which now is Pakistan was only 32 millions. Today this figure is of 130 millions. Now if this rate of growth is not checked today it will rise upto 300 millions by the year 2025. This is very perilous situation which we all have to think over and to grapple it as early as possible otherwise our all efforts, our all programmes of development and self reliance would be turned in a nightmare. For this, I would suggest, through you Mr. Chairman Sir, to the government, in my opinion there should be an optional subject on population planning in all colleges and universities. There should be seminars, symposiums and other conferences to create mass awareness about impact of this menace in our country and that programmes not 'only should be held in cities and towns but they should go down to the level of Union Council to create the mass awareness.

Now, Sir, after that I will come to my own province of Sindh. Before the start of operation clean-up by our Armed Forces of whom we are very proud. The law and order of my province of Sindh completely got out of control of the civil administration. But I should say that at that time law was contained only in the books and the order was with the dacoits. Nobody was safe and secure; the kidnapping for

ransom, murders, decoities, bank hold ups, highway robberies, train robberies were the regular feature of normal life in Sindh. But thanks to God and our Central Government rising above the political expediencies and other political considerations sent our Armed Forces to quell the lawlessness in our provinces of Sindh and that operation yielded no doubt positive results. Though the lawlessness has not been put down completely but it has been improved satisfactorily and the people have heaved a sigh of relief in our province of Sindh. An ordinary uneducated man also has the opinion that Army must remain in Sindh till the last terrorist, the last decoit is caught and punished. No doubt at this moment I would like to offer my personal gratitude to the Corps Commander of Karachi who has given life to the province of Sindh and the Army, no doubt, has won the gratitude of entire province of Sindh.

Now, I will take you to agriculture on which our Leader of the House has sufficiently dilated upon. I only humbly submit that during the last floods and torrential rains our entire crop has been washed away and that I will only request you that the remission for water rate and Ushr be declared for one crop throughout the province of Sindh.

Sir, now I will come to the economy of the country. Today the economy of our country, no doubt, is in a bad shape. It has been reported in so many newspapers that Pakistan Government is acquiring a debt at the rate of 60 thousand rupees per second and of every hundred rupee that has been raised by the Government in revenues from taxes and custom duties, by the simple arithmetic, I will place the

picture of economy before you that out of that hundred rupees, forty rupees are spent on our defence, which, in my opinion, is a must. Forty rupees out of that hundred rupees are spent as interest on the accumulated loans. I don't blame the present government but it is the accumulated loans that have been taken by the previous governments also, but out of that hundred rupees we pay forty rupees on defence and forty rupees we are going to pay as interest on the accumulated loans. Rupees ten are being spent over the civil administration and the meagre ten per cent of rupees is being spent on education, health, population planning, construction of roads, bridges, dams, science and technology. From this, if you calculate, only two per cent are being spent on education and less than one per cent is being spent on health. So, this picture of economy, according to me, is very much gloomy and dismal and shows further how the priorities of the government are messed up. Sir, this is the time to set the priorities straight. My priority is a safe drinking water. My priority is that there should be a school in my village, my priority is that there should be electrification in my village. I do not oppose the construction of highways and motorways. They must be built because they are the signs of progress and prosperity in the country. There is no objection to their construction, but there must be priorities according to which the government should formulate their own policies. It has been reported that clean drinking water in Pakistan, including its villages and particularly in Lahore, Rawalpindi and Karachi is contaminated with chemicals bacteria of lead and doctors's opinion is that the lead always causes mental abnormalities, particularly in the children. Therefore, it is the duty of the

government to provide safe drinking water to all the people of Pakistan.

Now, Sir, if we look to the financial scenario at the international level, I would like to highlight that at present the best defence of every country is a strong economy. We look at Japan and Germany, they are playing key roles at the platform of international politics because they have got strong economical capabilities. Today, the United States considers Japan to be a threat to itself because Japan is economically well-of. In the recent election of George Bush, why he was defeated? The only reason assigned to his defeat by Mr. Clinton is neglect of its economy in spite of the fact that his foreign policy was considered to be the most successful, but he did not manage to put his economy in a proper order and that was the only reason of his defeat in the recent elections in the United States. Therefore, Sir, the financial weaknesses and military adventures always bring miseries and tragedies to the people of the country. The break-up of Soviet Union, which was considered to be a second world power, collapsed because of its poor economical conditions.

Now, Sir, I will go to the privatisation. There can be no two opinions about de-regulation and privatisation. I am in favour of it because it has opened a new vistas in the economic field. It has introduced a free marketing economy, an economy free from all sorts of restrictions, but the process should not go, in a haste but step by step, and stage by stage. The amount collected from the privatisation process must be utilised towards the payment of a heavy burden of debts, if

not then this heavy burden of debts will be transferred towards new coming generations. Secondly, from the process of privatisation we should invest that amount in setting up big industries, in backward provinces so that they may yield a good return to the revenues of the government on the one hand and on the other hand it can ease the problem of unemployment to a larger and a satisfactory extent.

Now, Sir, as Senator Mr. Zakiuddin Paul yesterday pointed out that after the privatisation policy was pursued, the prices of ghee, the prices of cement have shoot up. This has to be controlled. The monopolistic and oligopolistic market structures should be controlled by the government to check the prices. Sir, I would invite the attention of Saeed Qadir, who is the Chairman of the Privatisation Commission, to follow the pattern of South Korea, the way there has been privatisation. If we fail to achieve the internationally recognised goals and standards from this policy of privatisation then this policy according to me, would be considered as a pennywise and pound foolish.

Now, Sir, I will come to the corruption, embezzlement, which is no doubt, everybody will admit that it has plagued the society. Everybody condemns it, but no practical steps have been taken to eradicate it from the society. We must first analyse the cause of corruption to remove the weaknesses from our system of government, which paves the way for corruption. Sir, if we Pakistanis, as a nation, adopt the doctrine of cutting the coat according to the cloth and if we observe the principle of simplicity in our individual and

collective life and if we eradicate the corruption from our society, I tell you Mr. Chairman, Sir, that our Pakistan would be economically well of within few years.

Mr. Chairman: Now please wind up.

Jam Kararuddin: Yes Sir. Now Sir, there is a great row over the Eighth Amendment. I personally feel that the Eighth Amendment is against the spirit of undiluted parliamentary system of government, but there are merits as well as demerits in the Eighth Amendment also. Firstly, I would like to submit that all the amendments in 1973 Constitution should be scrapped and it should be restored to its original shape.

Mr. Chairman: If all of them are scrapped then 20 people from the Senate have to go. So, please keep it in view.

Jam Kararuddin: Therefore, about the Eighth Amendment, this amendment has prevented two Martial Laws. Therefore, my submission before the House is that there should be a body of intellectuals, jurists and judges of Supreme Court or High Courts to think over this aspect of the constitutional Eighth Amendment, in the interest of the country, in the interest of the nation, in the interest of the democratic system and come out with concrete proposals in this regard. Thank you very much.

جناب چیئرمین : فتح محمد صاحب کیا آپ بولنا چاہیں گے؟

جناب اعجاز علی خان جتوئی : جناب چیئرمین! میں نے ۲۲ تاریخ کو ایک پریولیج موشن دیا تھا لیکن ابھی تک وہ آرڈرز آف دی ڈے پر نہیں آیا۔

جناب چیئرمین : میں دیکھ لیتا ہوں جی۔ I will look into it.

جناب اعجاز علی خان جتوئی : دوسری جناب بات یہ ہے کہ اس سیشن میں میرے پاس آرڈرز آف دی ڈے نہیں آ رہے ہیں۔ جناب lasttime میں نے اپنا address بھی سیکرٹریٹ میںcorrectکروایا تھا۔ یہ جو سیکرٹریٹ والے فارم دیتے ہیں اس پر میں نے لکھ کر بھجوایا تھا۔

ایک اور بات جناب کی انفارمیشن کے لئے، کیونکہ منسٹر صاحب تو یہاں موجود نہیں ہیں، پچھلے کچھ دنوں سے یہ باتیں اخبارات میں بھی آ رہی ہیں اور سندھ سے آج مجھے ٹیلیفون پر آئی ہیں کہ وہاں پر فرٹیلائزر کی کیوں شارٹیج ہے اور wheat کے لئے جو record requirement ہے اس کو پورا کرنے کے لئے بالکل فرٹیلائزر ہے ہی نہیں، نہ SASO کے پاس ہے جو گورنمنٹ کی ایجنسی SASO ہے اور باقی جو ایجنسیاں ہیں وہاں پر یوریا اور ڈی اے پی دونوں مل نہیں رہی ہیں۔

جناب چیئرمین : وزیر صاحب تو نہیں ہیں، بہرحال چوہدری صاحب بیٹھے ہیں۔

جناب اعجاز علی خان جتوئی : جناب میں آپ کے توسط سے گورنمنٹ کی توجہ اس طرح مبذول کرواتا ہوں کہ یہ agriculture economy ہے اگر فصلوں کو ٹائم پر فرٹیلائزر نہ ملے تو بعد میں کوئی کام کی چیز نہیں رہے گی۔

جناب چیئرمین : ٹھیک ہے جی۔ جی جناب فتح محمد خان صاحب۔

جناب فتح محمد خان : میں نہیں بولنا چاہتا۔

جناب چیئرمین : آپ نہیں بولیں گے۔ آصف وردگ صاحب بھی نہیں ہیں۔ تو پھر منظور گچکی صاحب۔

جناب منظور احمد گچکی : شکریہ! جناب چیئرمین صاحب۔ مجلس شوریٰ کے مشترکہ اجلاس میں صدر پاکستان کے خطاب پر یہ ڈیبیٹ اور تقاریر ہو رہی ہیں اس بارے میں جناب چیئرمین ہمارے بہت سے کرم فرماؤں نے، دوستوں نے اپنی تقریریں کیں۔ میں کوشش کروں گا کہ ان کو repeat نہ کروں اور جو کچھ دوسرا مواد میرے پاس ہے اس کو ہاؤس کے سامنے رکھوں۔

جناب چیئرمین! یہ خطاب constitutional ہے اور میرے اندازے کے مطابق، جیسا کہ مجھے علم ہے کہ یہ تقریر پریذیڈنٹ کو حکومت feed کرتی ہے اور شاید اس حد تک کہ تمام مواد حکومت انہیں مہیا کرتی ہے اور اسی طرح ڈرافٹنگ بھی حکومت کی طرف سے ہوتی ہے۔ اس کے بعد صدر صاحب اگر چاہیں تو تھوڑی بہت اس میں ردوبدل شاید کر سکتے ہیں۔ اس لئے ظاہر ہے کہ یہ حکومتی پالیسی پر ایک ڈرافٹ ہوتا ہے جو ہاؤس کے سامنے اور پاکستان کے عوام کے سامنے رکھا جاتا ہے۔ جناب چیئرمین! اگر آپ پچھلے سال کی تقریر کو دیکھیں اور اس سال کی تقریر کو دیکھیں تو آپ کو، کوئی خاص چیز، کوئی خاص تبدیلی نظر نہیں آئے گی، سوائے ایک دو پوائنٹس کے۔ لہٰذا صدر مملکت کی یہ تقریر اور پھر اگر آپ اس کو دیکھیں تو اس کے چار پورشن ہیں، ایک میں مقننہ ہے، اور دوسرے میں معیشت ہے، جس پر ان کا اپنا نکتہ نظر ہے اسی طرح لاء اینڈ آرڈر اور فارن پالیسی پر ہے۔

جناب والا! ان چاروں حصوں میں صدر مملکت نے کوئی نئی بات نہیں کی۔ مجھے تو جناب والا ایسے لگتا ہے کہ صدر صاحب کی تقریر بالکل ایسا ہی ہے کہ جیسے ہوا میں تلوار چلائی جائے یا اسے گھمایا جائے۔ اس تقریر میں مسائل کا حل تو کجا اس پر سوچنے کی زحمت بھی گوارہ نہیں کی گئی۔

جناب چیئرمین! صدر صاحب کہتے ہیں کہ

"قوم نے ہمیشہ جمہوریت ہی کو اپنی منزل سمجھا لیکن منزل پر

پہنچنے کے باوجود بھی گاہے گاہے اس کے قدموں میں لرزش،
دل میں بداعتمادی اور ذہن میں وسوسے جنم لیتے رہے۔"

جناب والا! پاکستان کی تاریخ گواہ ہے کہ اس ملک میں جیسا کہ میں ہمیشہ عرض کرتا رہتا ہوں کہ اس ملک میں پولیٹیکل اور ڈیموکریٹک کلچر کو کبھی بھی پنپنے نہیں دیا گیا۔ آپ اگر تھوڑا سا پیچھے کی طرف جائیں تو لیاقت علی خان کے زمانے سے لے کر آپ دیکھیں پہلی مرتبہ پاکستان کی سیاست میں، اس کے جمہوری اداروں میں آپ کو جرنیلوں کے سائے نظر آئیں گے۔ چیف آف دی آرمی سٹاف، اس وقت کا کمانڈر انچیف جنرل محمد ایوب خان، اگر آپ کو یاد ہے جناب والا! وہ ڈیفنس منسٹر بھی تھے اور کمانڈر انچیف بھی تھے۔ یعنی یہ دونوں چیزیں ایک جگہ کر کے رکھی گئیں۔ یہیں سے ہے اس ملک میں فوج کی intervention اور اس کے بعد غلام محمد اور چوہدری محمد علی کے دور میں بیوروکریسی کا intervention شروع ہوتا ہے اور اگر آپ اس کے بعد پیچھے کی طرف آئیں تو یہ سلسلہ چلتے چلتے ۱۹۵۸ء میں فوجی آمریت کی شکل میں نظر آتا ہے۔ اس کے بعد ایوب خان کے جانے کے بعد یحیٰی خان اور پھر ذوالفقار علی بھٹو politician کی حیثیت سے ہوتے ہوئے بھی وہ چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کی حیثیت سے رہے۔ اس کے بعد ضیاء الحق کا دور۔

یہ سلسلے جناب والا! ایسے ہیں کہ اگر ہم ان کو step by step لے لیں تو میں سمجھتا ہوں کہ اس ملک میں جمہوریت کو فوج نے، سول اور ملٹری بیوروکریسی نے پنپنے نہیں دیا۔ اب ظاہر ہے کہ کیا جو یہ لوگ کہتے ہیں کہ ڈیموکریٹک اور پولیٹکل کلچر ڈویلپ نہیں ہوا ہے تو یہ کس کی ذمہ داری تھی۔ یقیناً یہ ان اداروں کی ذمہ داری تھی کہ جو برسراقتدار رہے ہیں اور جنہوں نے ہمیشہ یہاں پر پولیٹیکل اور ڈیموکریٹک کلچر کو تہہ و بالا کیا اور اس کی جگہ پر یا تو ہیروئن اور کلاشنکوف کے کلچر کو انٹروڈیوس کیا یا سول اور ملٹری بیوروکریسی کے کلچر کو انٹروڈیوس کیا۔ یہی وجہ ہے جناب والا! کہ آج political parties میں صبروتحمل کا فقدان ہے۔ آج ہر چیز کو ایک دوسرے کے خلاف پرسنل سمجھ کر اس کے خلاف تحریکیں چلائی جاتی ہیں۔ اور ایسے لگتا ہے کہ سیاسی اختلافات نہیں بلکہ ذاتی اختلافات ہیں۔ اگر اس ملک میں ۲۸ سال تک directly or indirectly فوج برسراقتدار نہ ہوتی اور اگر اس ملک میں بیوروکریسی اپنی تمام سازشوں کو بروئے کار نہ لاتی تو میں

سمجھتا ہوں کہ آج اس ملک میں جمہوری کلچر اور پولیٹیکل کلچر جو ہے وہ ڈویلپ کر چکا ہوتا اور آج پاکستان دنیا میں ایک سمبل کی حیثیت سے اور ڈیموکریٹک ملک کے سمبل کی حیثیت سے سامنے ہوتا۔

جناب والا! کیا جو یہ بات کہتے ہیں کہ Democratic Culture Develop نہیں ہوا ہے کیا ان تمام سازشوں میں وہ لوگ خود شامل نہیں تھے؟ کیا اس ملک میں سیاسی اکھاڑ پچھاڑ میں ان لوگوں کا اپنا ہاتھ نہیں تھا۔ آج جو لوگ برسراقتدار ہیں یا جو یہ بات کہتے ہیں کہ سیاسی کلچر ڈویلپ نہیں ہوا ہے؟ پہلے تو میں جناب والا! یہ کہوں کہ پہلے تو وہ اپنے آپ کو دیکھیں کہ آیا ان کا کیا رول رہا ہے ملک کی تاریخ میں جمہوریت کے لئے؟ تو جناب والا! اس پوری تقریر میں مجھے کوئی ایسی چیز نظر نہیں آئی کہ اس میں اس قدر مواد ہو کہ جس کے بارے میں آدمی بہت زیادہ تیاری کر کے آ جائے۔

جناب والا! میں یہ کہوں گا کہ اس تقریر میں جس طرح ایک شکیل بدایونی کا ایک شعر ہے

انہیں یہ خوف کہ ہر بات مجھ سے کہہ ڈالیں
مجھے یہ وہم کوئی خاص بات باقی ہے

جناب چیئرمین! آئین کا تحفظ اس ملک کے حکمرانوں کا فرض ہے اور خصوصاً صدر مملکت کا اور اگر کسی جگہ پر آئین کو وائلیٹ کیا جاتا ہے تو یہ ان کا فرض اولین ہے کہ وہ آئین کے ان تمام آرٹیکلز کو پروٹیکٹ کریں لیکن جناب چیئرمین ! کیا میں یہ پوچھ سکتا ہوں کہ ایک سال سے سندھ میں کتنی پراونشل اسمبلی کی سیٹیں خالی ہیں اور کتنی نیشنل اسمبلی کی سیٹیں خالی ہیں - جناب والا! کیا یہ آئین کے آرٹیکل ۲۲۴ (۴) کی خلاف ورزی نہیں ہے - کیا آئین کی خلاف ورزی نہیں کی گئی ہے - تو جناب جو لوگ برسر اقتدار بیٹھے ہوں اور اگر وہ خود آئین کی خلاف ورزی کرتے ہوں تو وہ کس طرح اور کس کو یہ سبق سکھاتے ہیں کہ جی یہاں پر کلچر ڈویلپ نہیں ہوا ہے - یہاں پر بدگمانیاں ہیں - یہاں یہ ہے وہاں وہ ہے - اور پھر یہ درس دیتے ہیں ہمیں کہ جی اسمبلی کے اندر بیٹھ کر آپ ہر چیز کو حل کریں - یقیناً جمہوری تقاضا یہی ہے جناب والا! لیکن اگر اسمبلیوں میں

مسئلے حل نہیں ہوتے ہیں اگر اسمبلیوں میں بیس منٹ کے اندر، بارہویں ترمیم جو ہے اس کو یہاں پر ہمارے سروں پر تھونپا جاتا ہے تو کیا عوام کے یعنی politicians کو کیا ان کے نمائندوں سے حق آپ چھینتے ہیں کہ وہ دوبارہ لوگوں کے پاس جائیں اور ان سے کہیں کہ آپ کے ساتھ اس ملک کی عوام کے ساتھ ایوانوں میں یہ کچھ ہو رہا ہے۔ یہ politicians کا بنیادی حق بنتا ہے کہ پھر وہ سٹریٹ کی طرف جائیں - جناب والا! کیا ۱۹۹۰ء میں یہی باتیں نہیں ہو سکتی تھیں جب صدر مملکت نے اسمبلیاں توڑیں تو اس وقت تو بھی یہی باتیں ہو سکتی تھیں کہ جی آپ ہاؤس میں بیٹھ کر اس بات کا فیصلہ کریں۔ یہ ڈبل اسٹینڈرڈ ہماری سمجھ میں نہیں آتا۔ تو میں حیران ہوں کہ جی۔ یہ law of necessity کا جو طریق کار ہے جہاں آپ کی مرضی ہو جہاں آپ کا انٹرسٹ ہو وہاں آپ اس کو oblige کرتے ہیں - جہاں آپ کا انٹرسٹ نہیں ہوتا وہاں پر آپ side track کر کے نکل جاتے ہیں۔ تو آپ اگر انسٹیٹیوشن خود نہیں بننے دیتے تو آپ کس سے یہ بول رہے ہیں کہ انسٹیٹیوشن جو ہے وہ نہیں ہے۔ جناب والا! میں سمجھتا ہوں کہ موجودہ حکومت گزشتہ حکومت سے کچھ زیادہ پرفارمنس، بہتر پرفارمنس جو ہے وہ شو نہیں کر رہی۔ پیپلز پارٹی کی حکومت dissolve ہو گئی، اسمبلیاں dissolve کی گئیں۔ بنیادی نقطہ یہ تھا کہ ہارس ٹریڈنگ ہوا ہے۔ بنیادی نقطہ یہ تھا کہ کرپشن اور percentage ہے۔ بنیادی نقطہ یہ تھا کہ peoples representative کو ignore کر کے اپنے چہیتوں کو، اپنے چاہنے والوں کو بخشا جا رہا ہے۔ جناب چیئرمین! کیا موجودہ حکومت اس سے بہتر کارکردگی دکھا رہی ہے۔ جناب چیئرمین! اب تو لوگ پیپلز پارٹی کے دس فیصد کو بھول گئے ہیں۔ پیپلز پارٹی کے ہارس ٹریڈنگ کے اس دور کو بھول گئے ہیں۔ پیپلز پارٹی کی ان نوازشات کو جو اپنے ورکرز اور اپنے جیالوں کے لئے کرتے تھے ان کو بھول گئے ہیں۔

جناب چیئرمین! ایک کہاوت مشہور ہے کہ اکبر اعظم نے ایک لکیر کھینچ کے بتا دیا اپنے وزیروں سے کہ اس لکیر کو ہاتھ لگائے بغیر اس کو کم کیے بغیر آپ اس کو کم کر دیں تو سارے وزیروں میں بیربل نے کہا جناب والا! یہ میں کروں گا۔ تو بیربل نے ایک لمبی لکیر کھینچ دی۔ اس کے اوپر ایک لمبی کھینچ دی اور کہا کہ جناب والا! آپ کی لکیر ہو چھوٹی گئی کہ نہیں۔ تو اس وقت اتنی کرپشن ہے کہ جناب والا! وہ چھوٹی لکیر اب دکھائی ہی نہیں دیتی۔ تو کیا جس جواز کے تحت پیپلز پارٹی کی اس گورنمنٹ کو ختم کیا گیا تھا جو میں سمجھتا ہوں کہ غلط

نہیں تھا میں اس کو own کرتا ہوں۔ میں سمجھتا ہوں کہ وہ ٹھیک تھا۔ کیا آج وہ تمام چیزیں موجود نہیں ہیں اس گورنمنٹ کو dissolve کرنے کی اور اس گورنمنٹ کو ختم کرنے کی۔ کیا آج کرپشن نہیں ہے۔ یہ کیا ہے موٹر وے، ہم اندھے نہیں ہیں جی، ہم جانتے ہیں کہ کس طریقے سے لوگ جو ہیں وہ اپنی ڈیلنگز کرتے ہیں۔ ٹیکسیوں کا جو ایک طریقہ چل رہا ہے یہ کیا ہے۔ یہاں تو جو کچھ ہو رہا ہے۔ جناب والا! میں آپ کو ایک بات عرض کروں کہ ہارس ٹریڈنگ اور کیا ہے جناب، سندھ میں اس وقت جو کچھ ہو رہا ہے، ہارس ٹریڈنگ نہیں ہے۔ آپ نے چھ مہینے تک، سات مہینے تک ان ممبروں کے استعفوں کو accept نہیں کیا۔ اور اس کے بعد جو آپ کھینچ کے لا سکے زبردستی ان کو، کسی کو تشدد کا نشانہ بنایا ہے، کسی کو سیاسی رشوتیں دیں اور جب آپ کامیاب ہو گئے تو آپ نے کہا جی فلاں فلاں نے استعفٰی نہیں دیا ہے اور فلاں فلاں نے استعفٰی دے دیا ہے۔ کیا کر رہے ہیں آپ۔ تو یہ اور ہارس ٹریڈنگ کس کو کہتے ہیں جناب چیئرمین! کیا یہ ہارس ٹریڈنگ نہیں ہے کہ اسی وقت آپ پارٹی چھوڑ کے جب سرکار کے پاس پہنچ جائیں گے، اقتدار کی جماعت کے ساتھ ملیں گے، اسی دن آپ کو وزارت جو ہے وہ دی جاتی ہے۔ کیا یہ ہارس ٹریڈنگ نہیں ہے جناب والا۔ کیا یہ ہارس ٹریڈنگ نہیں ہے کہ سینٹ کے الیکشن ہوتے ہیں candidate کو اور پارلیمانی لیڈر کو یہ کہا جاتا ہے کہ آج منسٹری آپ یہ withdraw کریں اور منسٹری آپ کو صبح دیتے ہیں۔ پندرہ منٹ کے اندر اندر وہ withdraw کرتے ہیں اور پندرہ منٹ کے اندر اندر ان کو حلف دیا جاتا ہے۔ کیا یہ ہارس ٹریڈنگ نہیں ہے۔ جناب چیئرمین! اس ملک میں عوام کو جتنا دھوکہ پیپلز پارٹی نے دیا ہے اس سے زیادہ دھوکہ مسلم لیگ نے اور آئی جے آئی نے اس ملک کے عوام کو دیا ہے۔ اب تو لوگوں کا جناب چیئرمین! اعتماد سیاستدانوں سے اٹھ گیا ہے۔ یہاں پر کمال تو یہ ہے جناب چیئرمین کہ جمہوریت کی ہم بات کرتے ہیں لیکن ایک آنکھ عوام کی طرف ہے اور ایک آنکھ جو ہے وہ اسٹیبلشمنٹ کی طرف ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ سرخ بتی اور پیلی بتی کہاں سے ہمیں نظر آئے گی جس وقت فوج کی طرف سے اور بیوروکریسی کی طرف سے ہمیں سگنل ملتا ہے۔ ہم جمہوریت کے دعویدار ہوتے ہوئے اچھلنا کودنا شروع کر دیتے ہیں۔ حال ہی میں جو کچھ بھی ہوا یہ کیا تھا سگنل ملا ہے جی اور سگنل کے بعد کیا ہوا ڈراپ سین ہو گیا اس کا یعنی ٹرین مارچ، ڈبل مارچ اور سنگل مارچ اور اس کے بعد کرالنگ کی حد تک پہنچ گئے کیونکہ وہ سگنل کی بتی بجھ گئی تھی۔

جناب چیئرمین! اس ملک میں لوگوں کے ساتھ اور پھر ہوتا کیا ہے کہ وہی انسٹیٹیوشن build up کرتے ہیں لوگوں کو، اس کے بعد جب وہ ان کے تمام مقاصد پورا کرتے ہیں اور جب ان کے انٹرسٹ ختم ہو جاتے ہیں تو پھر ان کو نشانہ بنایا جاتا ہے اور اس حد تک نشانہ بنایا جاتا ہے۔ کسی جمہوریت میں جو خوش نہیں ہیں، اس ملک میں جمہوریت تو نہیں چل سکتی۔ یہاں کیونکہ تعلیم نہیں ہے یا چونکہ یہ جو ہے وہ علم نہیں ہے اس لئے جمہوریت کے قابل یہ قوم نہیں ہے اور اس لئے ہموار کیا جاتا ہے کہ اس ملک میں ہر وقت تین چار سال کے بعد یہ طالع آزما اس کو directly اور indirectly اپنے under thumb جو ہے وہ لینا چاہتے ہیں اور اقتدار کو اپنے ہاتھوں میں لینا چاہتے ہیں۔

جناب چیئرمین! جب تک اس ملک میں بیوروکریسی اور فوج کی مداخلت ہو گی اس ملک میں کوئی مائی کا لال جمہوریت نہیں لا سکتا۔ اس ملک کی عوام کا یہ فرض ہے، اس ملک کے سیاستدانوں کا یہ فرض ہے کہ پہلے ان دونوں کو سیاست الگ کرے اور اس کے بعد ان کو اپنے فرض منصبی دکھائے کہ تمہارا فرض اس ملک کو چلانا نہیں ہے بلکہ تمہارا کام جو ہے اس ملک کی عوام کی خدمت کرنا ہے۔ جناب چیئرمین! جب تک آپ یہ نہیں کریں گے اس وقت اس ملک میں جمہوریت پنپ نہیں سکتی۔

جناب والا! کہتے ہیں جی موجودہ اسمبلی نے بڑے کارنامے دکھائے ہیں۔ تو آپ نے آرڈیننسز کیوں دیئے۔ اسمبلی سیشن کو دو دن رہتے ہیں اور دو دن پہلے آپ آرڈیننسز دیتے ہیں۔ اسمبلی کا سیشن ختم ہو تا ہے چھ دن کے بعد آپ آرڈیننسز جو ہیں انٹروڈیوس کرتے ہیں۔ سوال یہاں یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیوں آپ اتنا بھی انتظار نہیں کر سکتے کہ دو دن کے بعد اسمبلیاں جو ہیں وہ آپ نے بلائیں۔ آپ نے خود بلائی ہیں announcement ہو چکی ہے۔ آپ سمجھتے ہیں کہ آپ نے اس پر---- آپ اس پر ہمیں درس دیتے ہیں کہ جی آپ میں جو ہے جی بردباری ہونا چاہیئے۔ جمہوری کلچر کو پنپنا چاہیئے۔ مختصر میں یہ تمام چیزیں ہونی چاہئیں جناب چیئرمین! شاعر کہتا ہے کہ

خدا کے واسطے ناصح، علاج کر اپنا
ہمیشہ عقل میں تیرے فتور رہتا ہے

جناب چیئرمین! میں سمجھتا ہوں کہ ہمیں درس دینے سے پہلے خود لوگوں کو چاہیئے کہ اپنا چہرہ آئینے کے سامنے دیکھیں۔ جناب والا! صدر مملکت نے اپنی تقریر میں اس موجودہ حکومت کی معاشی کارستانیوں کا بڑا ذکر کیا ہے۔ جنابوالا! اگر میں خود ان کے اپنے معیشت پر دیئے ہوئے ڈیٹا سے یہ ثابت کر کے بتاؤں کہ یہ سب غلط ہیں تو پھر میرے خیال میں ان کو یہ میری بات accept کرنی چاہیئے۔

جناب چیئرمین! برآمدات کے سلسلے میں صدر نے پچھلے سال اپنی تقریر میں فرمایا تھا کہ ۲۰ فیصد برآمدات میں اضافہ ہوا ہے۔ لیکن جناب والا! دسمبر ۱۹۹۰ء سے لے کر جون ۱۹۹۱ء تک کے یہ اعداد و شمار تھے لیکن جولائی ۱۹۹۱ء سے دسمبر ۱۹۹۱ء تک یہ اعداد و شمار ۱۲ فیصد تک پہنچ گئے یعنی ۲۰ فیصد چھ مہینے میں برآمدات بڑھی ہیں اور اس کے بعد اسی چھ مہینے میں یہ برآمدات ۱۲ فیصد تک پہنچیں۔ یعنی ۸ فیصد reduce ہوئیں اور اب ۱۲.۶ فیصد اضافہ کی بات کی جاتی ہے جو کہ صحیح نہیں ہے۔ اگر فرض کر لیں کہ صحیح بھی ہے تو جناب والا! یہ جو ۱۲ فیصد ۱۹۹۱ء میں آیا تھا، وہ زیادہ سے زیادہ وہی ۱۲ فیصد رہ گیا تو یہ جو ۱۲ فیصد رہا ہے تو کیا یہ کوئی معیشت کو آگے بڑھانے کی بات ہے؟ کون سی معیشت یہاں پر آگے بڑھی ہے، یہ تو وہی ہے جو پہلے ۱۲ فیصد تھا اور آج بھی ۱۲ فیصد ہے، کون سی برآمدات میں ڈویلپمنٹ ہوئی ہے جس کے بارے میں کہتے ہیں کہ جی برآمدات بڑھ گئی ہیں۔

جناب چیئرمین! دوسری طرف ٹیکسوں کی وصولی کا حال یہ ہے کہ پچھلے سال صرف اور صرف چالیس فیصد ٹیکس وصول کئے گئے اور باقی پیسے بنکوں سے لئے گئے۔ ۱۴ بلین روپے انہوں نے قرض لینا تھا لیکن ۱۹۹۱-۹۲ء کے چھ مہینے کے اندر اندر بنکوں سے ۶۲ بلین روپے قرض لئے گئے یعنی یہ تھا ۱۴ بلین پورے سال کا لیکن انہوں نے چھ ماہ کے اندر ۶۲ بلین روپے قرض لئے اور اس کے بعد جناب والا! 1992 - 93 ء میں چھ مہینے میں ۹۰ بلین روپے قرض لئے گئے ہیں جب کہ آپ کا ٹارگٹ کچھ اور تھا تو جناب چیئرمین اگر آپ قرض بنکوں سے لیتے ہیں، پرائیویٹائزیشن، نج کاری اور نہ جانے یہ دیگر جو آپ نے گورکھ دھندے بنا رکھے ہیں، ان کے بارے میں مجھے یہ بتا دیں گے کہ یہ جو انڈسٹریلائزیشن ہے یہ آگے کیسے بڑھے گی جب بنکوں میں پیسہ ہی نہیں ہے تو کیا صنعت کار تمام پیسے اپنی

جیب سے نکال کر لگائے گا۔ مجھے بتائیں ایسا کون سا انڈسٹریلسٹ ہے یہاں تو بہت سارے ایسے انڈسٹریلسٹس ہیں جنہوں نے بنکوں سے قرضے لئے ہیں، مجھے بتائیں کہ انہوں نے کتنے کتنے قرضے لئے ہیں۔ خود اس ملک کے وزیراعظم نے اس ملک کے بنکوں سے بارہ سو کروڑ روپیہ قرضہ لیا تو کیا کوئی یہ توقع رکھ سکتا ہے کہ کوئی انڈسٹریلسٹ خود اپنی جیب سے انڈسٹری لگائے جہاں کہ خود آپ نے نج کاری سٹاپ کی اور آپ نے خود discourage کیا غیرملکیوں کو، یہاں آ کر پیسے لگانے سے۔ جناب یہ کہتے ہیں کہ یہاں پر غیرملکی invest کر رہے ہیں۔ غیرملکی کہاں پر invest کریں گے۔ غیر ملکیوں نے ارادہ ضرور کیا ہے کہ ہم اتنے کروڑ کی یا اتنے ارب ڈالر کی Investment کریں گے۔ اب ہماری وزارت نے کیا کیا، ان کو اعداد و شمار کے چکر میں ڈال دیا، لیٹر آف indent میں ڈال دیا۔ کہ جی انہوں نے ارادہ کیا ہے۔ اب جو انہوں نے ارادہ کیا ہے تو ہم ان کو ایسے ہی propose کرتے ہیں کہ انہوں نے invest کیا ہے تو جناب چیئرمین یہ ہے صورتحال اس بارے میں۔

جناب چیئرمین! یہ کہتے ہیں کہ زرمبادلہ کی ایک ارب ڈالر کی رقم ہمارے پاس موجود ہے۔ یہ سٹیٹ بنک کا خود اپنا ریکارڈ ہے اور اس کا اپنا سٹیٹمنٹ ہے کہ اسٹیٹ بنک کے اعداد و شمار کے مطابق آپ کے پاس اس وقت ۷۵۴ ملین ڈالر بنک میں موجود ہیں اور اس کے مطابق آپ نے ۲۵۶ ملین ڈالر زیادہ بتائے ہیں یعنی اتنا بڑا contradiction.

پھر جناب والا! آپ کے نوٹوں کی چھپائی کے کیا کہنے---- ایسے لگتا ہے کہ پرنٹنگ مشینیں لگی ہوئی ہیں۔ صرف اتنا ہے کہ یہ وزیراعظم صاحب کے محل میں نہیں ہیں، otherwise جتنا بھی وہ چھاپنا چاہتے ہیں، چھاپتے ہیں اور چھاپ رہے ہیں، یہ پورا ریکارڈ ہے ان کا، جناب چیئرمین! پچھلے سال ایک لاکھ چون ہزار چھ سو گیارہ ملین روپے کے نوٹ گردش کر رہے تھے اور اب ایک لاکھ ستر ہزار چار سو ننانوے ملین روپے کے نوٹ گردش کر رہے ہیں یعنی صرف اس سال ۲۲ ہزار آٹھ سو اٹھاسی ملین روپے کے نوٹ چھاپے گئے ہیں۔ جناب چیئرمین! اس ہفتہ میں انہوں نے تین ہزار آٹھ سو تیس ملین روپے کے نوٹ چھاپے ہیں۔ اب بھی کہہ رہے ہیں کہ مہنگائی نہیں ہو گی، inflation نہیں ہو گی---- اگر یہ نہیں ہو گا تو کیا ہو گا؟ آپ کی حالت تو جناب والا! یہ ہے کہ آپ کی کرنسی اتنی

devalue ہو چکی ہے کہ اس وقت آپ نے خسارے کی جو رقم اپنے بجٹ میں دکھائی ہے وہ ہے ۹۸ بلین اور صرف چھ مہینے کے اندر، فلڈ سے پہلے کی بات کر رہا ہوں جناب والا! چھ مہینے کے اندر ایک سو بیس بلین روپے تک خسارہ پہنچا ہے، چھ مہینے کے اندر اندر اور پھر آپ کی کرنسی devalue کیسے ہوتی ہے؟ کہ ۴ جنوری ۱۹۹۰ء کو ڈالر کی قیمت ۲۱ روپے ۳۹ پیسہ ہے اور جناب چیئرمین ۱۸ فروری کو ۲۶ روپے ۲۲ پیسے بنتی ہے اور یہ 25 percentage فیصد ہے، یہ کرنسی آپ کی devalue ہو چکی ہے تو جناب والا! یہ تو رہا آپ کی معیشت کا حال- اب آپ مجھے بتا دیں کہ کیا یہ اس ملک کے حکمران justified ہیں کہ وہ اس ملک پر حکمرانی کریں-

جناب والا! پرائیویٹائزیشن کا عمل جس طریقے سے ہوا ہے- ہمارے صدر صاحب کہتے ہیں کہ monoply کو discourage کرنا چاہیئے- جناب چیئرمین! اگر تمام فیکٹریوں کو چار گروپ خریدتے ہوں تو کیا monoply نہیں ہو گی- جناب ان چار گروپوں نے کیسے خریدا ----- انہوں نے اپنی مرضی کے bids دیئے لوگوں نے اس سے highest bids دیئے لیکن ان کو accept نہیں کیا اور میں ان چیزوں کو prove کر سکتا ہوں کہ کہاں کہاں highest bids قبول نہیں ہوئی ہیں- یہ چیزیں اتنی detail میں ہیں کہ شاید ان کو بیان کرنے کا اتنا وقت نہ ہو-

جناب والا! اب میں لاء اینڈ آرڈر اور fundamental rights کی طرف آتا ہوں- جناب چیئرمین! آپ کو یاد ہے کہ پیپلز پارٹی کی گورنمنٹ جب ختم کی گئی تو اس وقت اس پر سب سے بڑا الزام یہ تھا کہ سندھ میں لاء اینڈ آرڈر کی صورتحال صحیح نہیں ہے اور مجھے بھی یاد ہے کہ ایک پریس بریفنگ میں جب جنجوعہ صاحب (کور کمانڈر) نے کہا تھا کہ ہم ۱۴۷ کے تحت کبھی وہاں پر ایکشن نہیں کریں گے اگر پیپلز پارٹی ہمیں اختیار دے تو ہم ۲۴۵ کے تحت ایکشن کریں گے otherwise ہم move نہیں کریں گے- جناب والا! آئی جے آئی کی گورنمنٹ میں جب جام صاحب وزیراعلیٰ تھے اور اب شاہ صاحب آئے ہیں، اسی فوج نے ۱۴۷ کے تحت وہاں ایکشن کئے ہیں اور اب کہتے ہیں کہ سب کچھ اچھا ہے- اگر سب کچھ اچھا ہے تو واپس ہو جائیں اور اگر سب اچھا نہیں ہے تو یہ خرابیاں کس کی وجہ سے پیدا ہوئی ہیں، یہاں یہ setting گورنمنٹ کی وجہ سے ہوئی ہیں یا تو ان کو ختم کر دیں، اسمبلی کو dissolve کر دیں اور وہاں پر نئے الیکشن کروا دیں-

آپ یہ بھی نہیں کرتے ہیں اور آپ ان حکمرانوں کو تحفظ دیتے ہیں جن کی وجہ سے سندھ جو ہے وہ عذاب خانہ بن گیا تھا۔ آج کہتے ہیں کہ جی، وہاں پر حالات ٹھیک ہیں۔ میں دعویٰ سے کہتا ہوں کہ اگر آپ وہاں سے فوج کو واپس لے آئیں تو میں دیکھتا ہوں کہ یہ کتنا کنٹرول کرتے ہیں کیونکہ یہ تو people کو represent ہی نہیں کرتے ہیں۔ جو لوگ عوام کو represent نہیں کرتے ہیں اور آپ ان کو لوگوں کے اوپر تھوپ دیتے ہیں تو لوگ ان کو accept نہیں کریں گے۔ ٹھیک ہے کہ آپ نے آپریشن کلین اپ کے نام سے ایک حد تک روکے رکھا لیکن جناب چیئرمین! یہ کون سی انصاف کی بات ہے کہ ایک آدمی کو پکڑنے کے لئے آپ اس کی ماں کو گرفتار کرتے ہیں، اس کے باپ کو گرفتار کرتے ہیں، اس کی بہنوں کو گرفتار کرتے ہیں، یہ کون سی انسانیت کے آداب کا آپ خیال رکھ رہے ہیں۔ وہاں پر آپ ایک آدمی کو پکڑنے کے لئے لوگوں کے پورے کے پورے کنبے کو اٹھا کر لے جاتے ہیں۔ الطاف نے اگر کوئی غلط کام کیا ہے تو اسے پھانسی پر لٹکا دو لیکن جناب والا! کیا وہاں رہنے والا بسنے والا ہر آدمی terrorist تھا۔

جناب چیئرمین : اب ذرا وائنڈ اپ کر لیں۔

جناب منظور احمد گچکی: بھائی صاحب میرا ٹائم ہے۔

جناب چیئرمین : کتنا؟

جناب منظور احمد گچکی: دس پندرہ منٹ میں بشیر ترین صاحب کے لے رہا ہوں۔

جناب چیئرمین : یہ کیسے۔ یہ ادھار کب سے آپ نے شروع کیا۔ ایسا یہاں کوئی ادھار کا سلسلہ نہیں ہے۔

جناب منظور احمد گچکی: جناب والا! پورا ملک ادھار پر چل رہا ہے۔

جناب چیئرمین : آپ نے خود کہا ادھار غلط ہے اسی پر آپ تنقید کر رہے ہیں اور خود ادھار لے رہے ہیں۔

جناب منظور احمد گجگی: چونکہ وہ کہہ رہے ہیں میری طرف سے آپ تقریر کریں۔

جناب چیئرمین : مہربانی کر کے وائنڈ اپ کر لیں۔ سینٹ میں ادھار نہیں چلتا جی۔

جناب منظور احمد گجگی: اللہ کرے ایسا ہو جی monetary bill کا آپ سے تعلق ہی نہیں آپ کیا ادھار پر چلیں گے۔ جناب چیئرمین! اب میں اثانوی کے مسئلے پر آتا ہوں۔ جناب والا! آج کا دور جو اس وقت ہم دیکھ رہے ہیں یہ نیشنل سٹیٹ کا دور ہے۔ سوویت یونین جب disintegrate ہوا تو وہ مختلف ریاستوں میں disintegrate ہوا اس میں پانچ چھ ریاستیں مسلمانوں کی بھی تھیں لیکن وہ ایک سٹیٹ میں نہیں رہے۔ اس میں دوسری ریاستیں تھیں جو کرسچئین تھے لیکن وہ ایک سٹیٹ مین نہیں رہے اس لئے نہیں رہے کہ مذہب کے ساتھ ان کی اپنی National identity تھی اور انہوں نے اپنی اس National identity کو برقرار رکھا۔ جناب چیئرمین! پاکستان کا وجود ۱۹۴۰ء کی قرارداد کے مطابق وجود میں آیا لیکن کیا آج تک میثاق پاکستان کا اس ملک میں احترام کیا گیا ہے۔ کیا آج تک اس دعویٰ کو آپ نے سچ کر کے دکھایا ہے۔ ہم نے جس بنیاد پر جس نصاب کے تحت پاکستان کو بنایا اس میثاق کا احترام کرنا چاہیئے۔ جناب چیئرمین! اس ملک کے حکمرانوں نے اپنے انٹرسٹ اور مفادات کے لئے اس ملک کو دو ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا۔ اس میں ایک آدمی کا قصور نہیں ہے۔ ۱۹۴۰ء کی قرارداد تو اپنی جگہ پر ہے۔ بہت سے لوگ یہاں پر کہتے ہوں گے کہ ذوالفقار علی بھٹو نے ایسے کیا۔ یقیناً اس کا ہاتھ تھا لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس ملک کے بیوروکریٹس اور سول اینڈ ملٹری بیوروکریٹس کا بڑا ہاتھ تھا۔ اس ملک میں ایک مخصوص علاقے کے سیاستدانوں کا ہاتھ تھا ان کو یہ معلوم تھا اگر بنگال رہے گا تو ۵۶ء فیصد ان کی آبادی ہے اور میناریٹی پراونسز سپورٹ کریں گے اس کے بعد ان کا اقتدار اس ملک میں نہیں رہے گا جو ۴۰/۴۵ سال سے رہا ہے انہوں نے اس کو خود توڑا۔

جناب والا! دنیا کی تاریخ میں پاکستان واحد ملک ہے جس کی میجارٹی نے میناریٹی سے secede کیا ہے آپ مجھے دنیا میں کوئی مثال نہیں بتا سکتے لیکن کیا۔

جناب والا! اب ہم ایسے نہیں ہونے دیں گے۔ ہم صوبائی اٹانوی لے کر رہیں گے اور جو ہمیں نہیں دے گا ہم اس کے خلاف streets میں جائیں گے اب ہم برداشت نہیں کر سکتے ۴۰ ، ۴۵ سال آپ کھا گئے آپ لوگوں نے اپنے پیٹ بھر لئے۔ آپ لوگوں کے لئے بہت کافی ہے اب اس ملک کی minority nationalities ہیں وہ اپنا رائٹ مانگتے ہیں اور آپ سے زبردستی اپنا right لیں گے۔ اگر آپ اٹانوی کے مسئلے کو اسمبلیوں کے اندر نہیں لائے اگر آپ نے آئین میں ترامیم نہیں کئے۔ آپ نے کنکرنٹ لسٹ کے نمبر ٹو لسٹ اور یہ فلاں لسٹ اگر آپ نے ختم نہیں کئے۔ جناب والا! میں آپ کو کہتا ہوں کہ اس زمانے کے صوبائی اٹانوی کے ڈیمانڈ میں اور آج کے ڈیمانڈ میں بڑا فرق ہے۔ آج ہر قوم اپنے اس حق کو استعمال کر سکتی ہے اور میں یہ واضح طور پر بتانا چاہتا ہوں اب اس ملک کے لوگ اور خصوصاً مینارٹی صوبوں کے لوگ جان چکے ہیں کہ ان کے رائٹس کیا ہیں اور کس طریقے سے لئے جاتے ہیں۔ جناب والا! اس سے پہلے کہ کل کوئی محرومیوں کے بعد لوگوں کے سامنے ایک پوائنٹ یا دو پوائنٹ رکھے خدا نہ کرے کل وہ دو چار پوائنٹ رکھے تو لوگ آپ کی طرف دیکھنا بند کر دیں گے۔ جناب وہ اس طرف چلے جائیں گے جہاں وہ سمجھتے ہیں کہ ہماری عافیت ہے۔ جناب چیئرمین! آپ ملٹی نیشنل سٹیٹ ہیں میں اسے ایک قوم نہیں مانتا۔ پاکستان ایک قوم نہیں ہے۔ پاکستان ایک قوم کا وجود نہیں رکھتا اور وہ وجود پراسس سے ہوتا ہے۔ چھ دن کے بعد قوم نہیں بنتے ہیں۔ اپنے historical process میں اور اپنے نفسیاتی ساخت اور جغرافیائی قربت۔ یہ تمام قومیں بناتی ہیں اب تک ہم بدقسمتی سے اس پراسس تک نہیں پہنچے ہیں۔ آپ لوگوں کو رائٹس دیں گے۔ آپ لوگوں کے حقوق کا احترام کریں گے۔ ایک دسرے کی عزت ہو گی تو پھر وہ ایک پراسس کی طرف چل کر ایک قوم بن جاتے ہیں۔ اب تک نہیں بنا اس لئے اگر آپ نے ان کے حقوق کا احترام نہ کیا تو وہ اپنے اس نکتہ نظر کا پرچار کریں گے۔ وہ جائیں گے وہ چھ پوائنٹ یا ایک پوائنٹ پھر استعمال ہو گا۔ خدا کیلئے میری یہ گزارش ہے کہ اسمبلیوں میں پراونشل اٹانوی کے مسئلے کو لایا جائے۔

جناب چیئرمین! آخر میں، میں یہ گزارش کروں گا چونکہ وقت کم ہے اور آپ نے وائنڈ اپ کی بات کی ہے میں دو چار الفاظ اس پر کہوں گا۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ جناب چیئرمین! پاکستان کی خارجہ پالیسی کہیں مجھے تو نظر نہیں آتی اس کا کوئی وجود نہیں ہے۔ ECO کا کانفرنس کر کے اگر کوئی یہ سمجھے کہ ہم نے فارن

پالیسی کو بہت آگے بڑھا دیا ہے جناب والا! میں اس سے disagree کرتا ہوں جناب چیئرمین! بدقسمتی یہ ہے کہ جو دکھائی دیتے ہیں وہ فارن پالیسی کو چلاتے ہی نہیں ہیں اصل میں چلانے والے تو دوسرے ہیں- جناب چیئرمین! سرد جنگ کے خاتمے کے بعد اوراس سے پہلے سوویٹ یونین کو کاؤنٹر کرنے کے لئے افغانستان کو کاؤنٹر کرنے کے لئے انڈیا کو کاؤنٹر کرنے کے لئے ہماری سیکیورٹی ایجنسیوں نے وہ رول پلے کیا اور وہ ڈائریکٹلی فارن پالیسی پر اثرانداز ہوئے بلکہ میں تو یہ کہوں گا فارن پالیسی چلانے والے بھی وہی تھے لیکن اب سرد جنگ کے ختم ہونے کے بعد میں سمجھتا ہوں اب اس کی قطعاً ضرورت نہیں ہے لیکن بدقسمتی یہی ہے کہ سیکیورٹی ایجنسیوں کو shrink نہیں کیا گیا ہے اب تک ان کا قد اتنا ہی ہے جو پہلے تھا اب ظاہر ہے وہ وہی کام کریں گے اور ہر روز کوئی نہ کوئی مسئلہ اور پرابلم پیدا کریں گے تا کہ وہ اپنے اس جواز کو justify کر سکیں کہ آپ کو ہماری ضرورت ہے جناب والا! میں سمجھتا ہوں اب وقت آ گیا ہے- فارن پالیسی پر انٹرنل پالیسیز اور دوسرے فیلڈز میں سیکورٹی ایجنسیوں کو مداخلت نہیں کرنا چاہیئے بلکہ اب وہ اپنی ان ڈیوٹیز پر جائیں جہاں پر ان کی ضرورت ہے اس کے بجائے کہ وہ پالیٹکس میں آ جائیں-

جناب چیئرمین! دوسری بات یہ ہے اب آپ کو بلاکس بنانے پڑیں گے آپ کو ریجنل بلاکس میں جانا پڑے گا یہاں پر ایک controversial ایشو چل رہا ہے کہ ہمارا ساؤتھ ایشیا سے تعلق ہے یا ساؤتھ ویسٹ ایشیا سے- جناب چیئرمین! ساؤتھ ایشیا ہمیں معاشی تعاون فراہم کرتا ہے لیکن جناب والا! رہا ساؤتھ ویسٹ ایشیا اس سے بھی ہمارے رشتے ہیں ہم کو دونوں کو ایک دوسرے سے جوڑنا پڑے گا کیونکہ اس کلچرل رشتے کو جو صدیوں سے ہے جسے ہم توڑ نہیں سکتے ہیں ہمارا economical رشتہ یہاں بننے جا رہا ہے تو ہم اس کو بھی نہیں چھوڑ سکتے-----

جناب چیئرمین : بس اب کافی ہو گیا ہے- بلکہ زیادہ ہی ہو گیا ہے- مندوخیل صاحب بھی بیٹھے ہیں-

جناب منظور احمد گچکی: سر دس منٹ دے دیں-

جناب چیئرمین : نہیں میرے خیال میں مناسب نہیں ہو گا- اب کافی

باتیں کر لیں ہیں آپ نے اتنی زبردست باتیں کی ہیں۔ اب میرا خیال ہے کسی اور کو موقع دیتے ہیں۔

جناب منظور احمد گھگی: میں آخر میں یہ کہوں گا کہ صدر صاحب کی تقریر دل پذیر بڑی خوبصورت ہے جس نے بھی لکھی ہے میں اسے داد دوں گا۔ آخر میں کہوں گا۔

ہمارے گھر میں یوں تو کیا نہیں ہے
بس اتنا ہے کوئی رہتا نہیں ہے

جناب چیئرمین : شکریہ سید عباس شاہ صاحب۔

سید عباس شاہ : جناب چیئرمین! صدر مملکت نے روایات اور منشور کے مطابق مجلس شوریٰ میں ۲۲ دسمبر کو اپنی تقریر کی اور جیسے tradition قائم ہوئی اسی کے مطابق حکومتی پالیسی کو آگے پیش کرتے ہوئے انہوں نے اس میں اپنی تنقید اور بہتری کے لئے بھی اپنی رائے دی جہاں تک صدر مملکت کی ذات کا تعلق ہے میں محسوس کرتا ہوں کہ ان کو یہ عبور حاصل ہے وہ جس مضمون یا چیز کو پیش کرے گا اور ان کی خوبیوں کو وہ جس طرح چاہتا ہے اجاگر کرتا ہے اور اگر وہ برائیاں ہوں تو وہ چھپا سکتا ہے یہ انہی کا اپنا ایک آرٹ ہے اور خوبی ہے۔

صدر مملکت نے اپنی تقریر میں سب سے پہلے پاکستان کی جمہوریت کے متعلق اپنی رائے دی اور اپنی تقریر میں انہوں نے ذکر کیا کہ پاکستان میں جمہوریت کے لئے جدوجہد کی تاریخ تو بہت طویل ہے مگر جمہوریت خود ابھی نوخیز ہے۔ میں اس کو دوسرے الفاظ اور دوسرے طریقے سے کہوں گا کہ پاکستان میں جمہوریت کو پھلنے پھولنے کے لئے یا بڑھنے کے لئے کبھی موقع ہی نہیں دیا گیا۔ اور جب دیا گیا تو اس کو ایسے مواد سے کنٹرول کیا گیا کہ وہ اس قابل نہیں رہی کہ اس کو ہم جمہوریت کہہ سکیں۔

جناب والا1947 ، کے بعد جب پاکستان بنا اور اسی خواہش سے بنا تھا

کہ یہاں پر ایک مسلم اکثریت کی آبادی ہو گی، جمہوریت اور آزادی ہو گی، پاکستان میں اپنی رائے، قلم، آواز اور دیکھنے کی آزادی ہو گی اور اپنی مذہبی روایات کی بھی آزادی ہوگی لیکن افسوس کی بات ہے .ہمیں جو بیوروکریسی کا ورثہ ملا ہے، جو انگریزوں کے ٹرینڈ شدہ ہیں، جو کہ اس حکمران کے ذریعہ ہمارے ملک پر حکمران تھے، اس نے ہمارے ملک میں جمہوریت کے لئے کوئی راستہ کھلا نہیں چھوڑا اور کوشش کی کہ اس جمہوریت کو ختم کریں۔

جناب والا! یہ چیز آج عیاں ہے کہ آج بھی اگر ہم جمہوریت کی بات کرتے ہیں تو حکومت جمہوری اداروں کی نہیں ہے حکومت اس ملک میں آج بھی بیوروکریسی کی ہے۔ کیا ہم اس نوخیر جمہوریت کی پوزیشن میں اس قابل ہیں یا ہم اپنے آپ کو اس قابل بنا سکیں گے کہ ہم اس کنٹرول سے نکل سکیں گے جو کہ ہماری جمہوریت کے راستے میں بہت بڑی رکاوٹ ہے اور ہماری آزادی کے راستے میں بھی بہت بڑی رکاوٹ ہے؟ اور یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے ملک کی سیاسی پارٹیوں اور اس کے زعماء اور لیڈران پر ہے ہمیں آج تک یہ احساس ہی نہیں ہوا کہ ہم پارلیمنٹ میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ ہمارے لئے ایک فورم ہے۔ اگر ہمارے علماء کرام جو کہ عوام سے مینڈیٹ لے کر آئے ہیں، صحیح طور پر یا غلط، وہ تو فیصلہ عوام ہی کر سکیں گے کہ ہم ملک میں شریعت نافذ کریں گے - وہ بھی جب شریعت پر بحث ہوتی ہے تو وہ پارلیمنٹ سے بائیکاٹ کر لیتے ہیں مجھے وہ فورم نہیں معلوم کہ کس کے ذریعے ملک میں شریعت جاری کریں گے - اگر یہی چیز ملک میں سب سے پوچھی جائے تو ملک میں دو بڑی پارٹیاں ہیں جو کہ ایک مسلم لیگ ہے اور دوسری پیپلز پارٹی ہے -

ایک معزز ممبر : عوامی نیشنل پارٹی کے بارے میں کیا خیال ہے؟

سید عباس شاہ : اگر ڈاکٹر صاحب مجھے اجازت دی جائے ، میں آپ کی قدر کرتا ہوں ، آپ کی پارٹی یقیناً ہے اور آپ کی یہ نئی پارٹی ہے ، پرانی نہیں ہے لیکن ریجنل پارٹی ہے - قومی پارٹی صرف پیپلز پارٹی اور مسلم لیگ ہے اور دونوں کو ان دونوں ہاؤسز میں اچھی خاصی نمائندگی حاصل ہے - مجھے سمجھ نہیں آتی کہ عوامی مسائل ، جمہوریت کو آگے بڑھانے کے لئے ہم اگر اس فورم کو استعمال نہ کریں اور وہ سیاسی پارٹیاں جن کے پاس صحیح فورم موجود ہو تو وہ اگر

راستے گلیوں میں اپنی آواز اٹھائیں اور ملک میں انتشار پھیلانے کی کوشش کریں تو مجھے بتائیں کہ جمہوریت اس ملک میں کیسے آگے بڑھے گی اور اس کے ادارے کیسے قائم ہوں گے ۔

جناب والا! کل میرے ایک بھائی بشیر مٹہ نے اپنی تقریر کے دوران صوبہ سرحد کے نام کا ذکر کیا ۔ جناب چیئرمین ! آپ نے مجھے وارننگ دی تھی ، لیکن میں ان کو interrupt نہیں کر رہا تھا بلکہ مجھے یہاں جاوید ہاشمی نے offend کیا تھا تو میں ان کے ساتھ لڑ رہا تھا ۔ لیکن میں اسکی معافی چاہتا ہوں ۔ جناب والا! یہ اس کا جمہوری حق ہے کہ وہ اپنی رائے پیش کرے legislation کے طور پر ، جیسے اس نے کہا کہ وہ اپنے صوبے کا نام پیش کر سکے ، پھر اس صوبے میں مختلف علاقے کے لوگ موجود ہیں جیسے ہزارہ ،کوہاٹ سٹی ، پشاور شہر اور ڈیرہ اسماعیلخان انکی بھی اپنی رائے ہو گی ۔ ان کے یہاں نمائندے موجود ہوں گے ۔ ان کے نام سے میں تو disagree کرتا ہوں لیکن ہیخ ، معنی سائیڈ، so Sarhad is all suicided اگر وہ پشتون کے نام سے منسوب کریں ، ہو سکتا ہے مجھے بھی قابل قبول ہو لیکن اسی فورم پہ اس کا فیصلہ ہو گا تب ہی ہم جمہوریت کی بات کر سکتے ہیں اور اس میں کامیابی حاصل کر سکتے ہیں ۔ جناب اگر میں یہ کہوں کہ اس ملک کے کسی خاص حصے کے ایک خاص قبیلہ سے تعلق رکھتا ہوں وہ میری شناخت نہیں ہے جب بھی میں دنیا کے کسی حصے میں جاؤں گا تو مجھے پاکستانی تصور کیا جائے گا نہ کہ پشتون ، بلوچ ، سندھی یا پنجابی تصور کیا جائے گا۔ اپنی شناخت پر مجھے اور اپنے لوگوں کو فخر ہے اور میرے علاقے کے لوگوں کو خاص کر میں جس پارٹی سے تعلق رکھتا ہوں تو ہمیں فخر ہے کہ پاکستان ہمارا نام ہے ، نشان ہے اور ہماری شناخت ہے ۔ اور اس کو ہم نے قربانیوں سے حاصل کیا اور جو اس میں دفن نہیں ہونا چاہتے ہیں ان کا ہمارے ساتھ کوئی رشتہ تعلق نہیں ہے نہ وہ ہم سے ہیں اور نہ اس ملک کے وہ باشندے ہیں اور نہ ہی ہمارے رائٹس کے لئے انہوں نے fight کیا ہے اور نہ ہم ان کو accept کر سکتے ہیں-----

ڈاکٹر محمد ریحان : پوائنٹ آف آرڈر سر ۔

جناب چیئرمین : جی فرمائیے ۔

ڈاکٹر محمد ریحان : چوہدری رحمت علی اور جنرل موسیٰ اور مولانا محمد علی جوہر کی طرف اشارہ کر رہے ہیں -

سید عباس شاہ : بالکل جی -

جناب چیئرمین : آپ کی باری آئے گی ، آپ بیٹھیں -

سید عباس شاہ : میں ان سے کی طرف اشارہ تب کروں گا کہ اگر وہ پاکستان بننے کے بعد یہاں دفن نہ ہوتے۔ یقیناً پاکستان ایک آزاد مملکت ہے اور یہ یہاں پر حاصل ہوا ہے مسلمانوں کے نام پر۔

(مداخلت)

جناب چیئرمین : بہر حال جی آپ کی باری آئے گی آپ ! آپ کی باری آئے گی ابھی آ رہی ہے -

سید عباس شاہ : میں نے آج تک ابھی تک کسی کا نام نہیں لیا خواہ مخواہ لوگوں کو ڈر ہو رہا ہے - اپنے بتوں کو بٹھانے کے لئے۔ میں نے کسی کا نام نہیں لیا -

جناب چیئرمین : انہوں نے تو کسی کا نام نہیں لیا -

سید عباس شاہ : نہ میں لینا چاہتا ہوں کیونکہ ہر بزرگ خاص کر جو موجود نہیں ہیں وہ ہمارے لئے قابل قدر ہیں ان کی اپنی جدوجہد ہے اپنی سوچ تھی میری سوچ علیحدہ ہے ان کی سوچ علیحدہ ہے - میں صرف ذکر کر رہا ہوں اس چیز کی جو کہ پشتون کے لئے کہی گئی ،Pashtoon is a proud tribe. اور میں یہ بھی کہوں گا کہ It is part of Pakistan. اور پاکستان کے ایک حصے کی tribe ہے جیسے پنجابی ہے اس پر ان کو حق حاصل ہے کہ وہ اپنی تعریف کرے ہم اپنی تعریف کریں گے - لیکن میں کسی طور پر بھی افغانستان کے پشتونوں

ہے بغیر اسلام کے رشتے سے وابستہ نہیں ہوں - میری اپنی tribe ہے میرااپنا کلچر ہے میری اپنی سوچ ہے ان کا اپنا کلچر ہے اپنی سوچ ہے - اگر کوئی پشتونستان کا نام اس خیال سے بنائے کہ جی ہم greater Pashtoonistan کی سوچتے ہیں تو ہم صرف greater Pakistan کی بات کریں گے اگر پاکستان کے ساتھ کوئی شامل ہونا چاہتا ہے تو ہم اس کو greater Pakistan کے طور پر accept کریں گے -

جناب والا! جمہوریت میں جس میں ہمارے ساتھ ۵۰ فیصدی یا ۴۸ فیصدی آبادی ہے۔ ان کوآج تک ہم نے totally ignore کیا، جو کہ ہماری خواتین ہیں جو کہ ہماری بہنیں ہیں، جو کہ ہماری مائیں ہیں، ہماری بیٹیاں ہیں، ہم نے ان کو آج تک موقع ہی نہیں دیا اس ملک میں کہ وہ بھی اس ملک میں حصہ دار ہیں۔ اور اس جمہوری ادارے میں دونوں خاص کر سینٹ میں تو ایک موقع ڈاکٹر صاحبہ کو ملا ہے۔ ایک reperesentative ہے لیکن یہ افسوس کی بات ہے اتفاقاً کہ ہمارے دونوں ہاؤسز میں اور چاروں صوبوں میں عورتوں کی نمائندگی نہیں ہے۔ میں اپنے اس فورم سے خاص کر اور جس کو ہم سینٹ کہتے ہیں جو کہ لیجسلیشن اپنے طور پر کر سکتی ہے۔ ہمیں چاہیئے کہ ہم اپنا یہ حق سب سے پہلے استعمال کریں اور پاکستان کی اس آبادی کو جو کہ ۴۸ فیصد یا ۵۰ فیصد یا ۵۲ فیصد جو بھی شماریات ہیں ان کو ہم حصہ دیں اور ان کو وہ موقع دیں تا کہ اس ملک میں ہم جمہوریت جس کے متعلق ہم سوچ رہے ہیں اور اسلام اور دین کی روشنی میں بھی عورتوں کا اتنا ہی حق ہے جتنا ایک مرد کا حق ہے۔

جناب والا! صدر مملکت نے ملک میں الیکشن پر خرچ، امیروں کے آنے جانے کا، یہ ساری بیوروکریسی کی باتیں ہوتی ہیں جناب! جب ملک میں ادارے بڑھیں گے جب جمہوریت as an institution پھلے پھولے گی۔ عوام کو آج بھی۔ جب میں تعمیر وطن پروگرام میں علاقے میں جاتا ہوں تو میں لوگوں کو کہتا ہوں کہ یہ میرا احسان نہیں ہے کہ میں آپ کو سکول دے رہا ہوں یہ میرا احسان نہیں ہے کہ میں آپ کے لئے سڑک بنا رہا ہوں یہ میری پارٹی کا پروگرام ہے اور کل اگر میں آؤں اور اس میں خیانت ہو تو آپ مجھ سے پوچھیں۔ میرے علاقے میں اب بھی ایسے ایم پی اے ہیں کہ سکولوں کو بیچتے ہیں کیونکہ وہ سکول جس کے گھر میں بنتے ہیں، جس کے قریب بنتے ہیں، اس کو چوکیداری کی نوکری ملتی ہے۔ آپ believe نہیں کریں گے اس ہاؤس میں مجھے شرم آتی ہے۔ لیکن کہنا پڑے گا مجھے

کہ جی سکول بکتے ہیں ٹیوب ویل بکتے ہیں- کیونکہ وہ اس لئے اس کو بیچتے ہیں کہ آئندہ ووٹ میں خریدا جاتا ہے- وہ اس سے پیسہ accumulate کرتے ہیں- جناب اس کو صرف جمہوری ادارے as an institution اس کو توڑ سکتے ہیں- عوام بھی جب متواتر الیکشن ہوں گے اپنے ٹائم پر تو وہ بھی اس قابل ہوں گے اور ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم ان کو یہ احساس دلائیں کہ جی ہم جو کچھ کر رہے ہیں وہ پارٹی کے مینڈیٹ کےbasis پر کر رہے ہیں- اللہ کا فضل ہے جب محمد خان جونیجو کی حکومت تھی اس وقت بھی ہمارا پانچ نکاتی پروگرام چلا اور گاؤں گاؤں تک پہنچا- آج تعمیر وطن پروگرام بھی جو کہ آئی جے آئی جس میں major portion مسلم لیگ کا ہے- آج اس کا پروگرام گھر گھر پہنچ رہا ہے اور ہم نے وہ تمیز کبھی نہیں رکھی جیسے ہم سے پہلی پارٹی کا پیپلز پروگرام ہے اور صرف ان ممبران کے لئے ہے جو حکومت کی کرسیوں پر بیٹھے ہیں- ہم نے آپ کو سب کو پورے کا پورا حق دیا ہے اور جتنا ہمیں مل رہا ہے اور اتنا ہی آپ لو گوں کو بھی development کے لئے مل رہا ہے-

جناب والا! یہ طریقہ کار جمہوریت کو آگے بڑھانے کا ہے- جناب والا! آج ہمارے اخباروں میں آٹھویں ترمیم پر بحث ہو رہی ہے- یہ بحث جس وقت پیپلز پارٹی کی حکومت تھی اس وقت بھی آٹھویں ترمیم پر بحث ہو رہی تھی اور میں نے یہاں اس کونے میں افتخار گیلانی کو کہا کہ آٹھویں ترمیم میں اگر کچھ کمی بیشی ہے تو آپ بارہویں یا گیارہویں ترمیم کے ذریعے اس کو آگے بڑھائیں ہمارے ساتھ بیٹھیں یہ ملتان بار میں تقریر کرنے سے یا مردان بار میں یا پشاور بار میں تقریر کرنے سے آپ کو کچھ نہیں ملے گا- یہ آپ صرف پراپیگنڈہ کر رہے ہیں آپ اس کے متعلق serious نہیں ہیں اگر آپ serious ہیں- آپ حکومت میں ہیں- آپ legislation لائیں ہم آپ کے ساتھ بیٹھیں گے کون سی پولیٹیکل پارٹی یہ مانگے گی کہ اس کے اختیارات زیادہ نہ ہوں جمہوریت کے لئے صحیح راہ دروازے کھلیں- آج اگر آپ کا وزیراعظم ہے میرے یہ الفاظ تھے کہ یہ ہو سکتا ہے کل میرا وزیراعظم ہو- آج وہی بات ہے کہ میرا وزیراعظم ہے- میں آٹھویں ترمیم کے ہٹانے کی ضرورت نہیں سمجھتا- کیونکہ اس میں مشکلات ہوں گی لیکن تیرھویں اور چودھویں ترمیم ہونی چاہیئے- اس Constitution میں balance of power صحیح نہیں ہے- وزیراعظم کے ساتھ اختیارات کم ہیں- اس کو روکا گیا- اس کو قید کیا گیا ہے- یہ میں وزیراعظم نواز شریف یا وزیراعظم بے نظیر کے لئے نہیں کہہ رہا ہوں

میں صدر غلام اسحاق کے لئے یہ نہیں کہہ رہا ہوں یہ آگے جمہوریت کی جو ذمہ داری ہم پر ہے۔ اس کو آگے بڑھانے کے لئے۔ ہم ان حالات کو روکنے کی کوشش کریں گے کہ آئندہ اس ملک میں آمریت نہ آ سکے۔ آئندہ یہاں پر مارشل لاء نہ آ سکے۔ اور وہ تب ہی ہو سکتی ہے کہ ہم ۱۹۷۳ء جو کہ متفق علیہ آئین تھا اور اس کے بھی آج تقاضے بدلے ہوئے ہیں۔ اس کے لئے نئی demands ہوں گی تو ان کو آگے بڑھاتے ہوئے اس کو controversy میں لانا چاہیئے۔ اس کو بلیک میل کے طور پر نہیں استعمال کرنا چاہیئے بلکہ ہمیں آگے بڑھنا چاہیئے اپنی legislation کے لئے اور legislation صرف ۹۵ بل میں سے ۳۵ بل پاس کرنا یہ ہماری کوئی بہادری نہیں ہے۔ یہ legislation نہیں ہے۔ ہمیں ملک میں وہ قانون دینا چاہیئے وہ طریقہ کار اختیار کرنا چاہیئے تا کہ جمہوریت پھلے پھولے۔ اور دولت کے بل بوتے، لوگ یا کسی برادری کے بل بوتے پر ان ہاؤسز میں نہ آئیں بلکہ عوامی نمائندے آئیں اور عوام کے لئے کام کر سکیں۔

جناب والا! ہماری حکومت جو آج ہے۔ اس کارکردگی کی تعریف صدر مملکت نے کی لیکن اس فورم پر جب ہم کھڑے ہوتے ہیں یہ نہیں کہ ہم ان پر تنقید کرتے ہیں لیکن جو غلطیاں ہوئیں۔ اس کو صحیح کرنے کے لئے اور یہی خوبی ہے میری مسلم لیگ پارٹی میں کہ آپ تنقید کریں تو اس کو برا نہیں سمجھا جاتا۔ لیکن اگر constructive ہو اس خیال سے نہیں کہ تنقید برائے تنقید ہو۔ جیسے کہ کہا گیا اور میرے عزیز دوست کچی صاحب نے کہا کہ نج کاری میں monopoly جو ہے یا monopolistic system پیدا ہوتا ہے۔ یقیناً میں سمجھ رہا ہوں اور میں نے ہر فورم پر جو کہ چھوٹے فورمز تھے کمیٹیز میں یہ کہا ہے کہ نج کاری بڑی تیزی سے ہوئی ہے حالانکہ اس سے پہلے پیپلز پارٹی کی حکومت نے بھی اس کے لئے کوشش کی تھی۔ Privatisation کے لئے مگر وہ ناکام رہی۔ اوراس سے پہلے مجھے یاد ہے کہ جنرل ضیاء الحق صاحب کے زمانے میں بھی اس کی کوشش ہوئی تھی۔

جناب چیئرمین : شاہ صاحب! اب ذرا wind-up کر لیں۔

سید عباس شاہ : جناب میں تو آگے بڑھا ہی نہیں ہوں ذرا پانچ منٹ دیں گے۔ میں اس سے آگے بڑھتے ہوئے خاص کر ملک کی خارجہ پالیسی کے

متعلق بات کروں گا کیونکہ اس وقت جس position میں ہم بیٹھے ہیں اور خاص کر میں حاضر نہیں ہو سکا میں بابری مسجد پر بھی بات نہیں کر سکا۔ آج دس پندرہ سال بعد جبکہ اس وقت بھی ہندو حکومت کی یہ خواہش تھی کہ بابری مسجد کو گرا دے۔ آج یہ موقع کیوں آیا پندرہ سال کے بعد کہ اس کی حکومت اس میں ملوث ہوئی اور اس نے بابری مسجد کو توڑا۔ ہمیں ذرا سوچنا چاہیئے اور جس وقت بابری مسجد ٹوٹی تو ہمارے وہ دوست جنہیں ہم اسلامی امہ کہتے ہیں وہ بھی ہماری امداد کے لئے نہیں آئے۔ کبھی ہم نے اس پر سوچا ہے کہ ہمارے ساتھ کیا۔ہو رہا ہے۔ کیا ہم isolate نہیں ہو رہے ہیں totally دنیا سے اور یہ کوشش تھی ہندوستان کی اور دو تین سال سے ہم سوئے پڑے تھے۔ جب سے کشمیر میں کشمیری عوام نے اپنی آزادی کے لئے جدوجہد شروع کی ان کو یہ یقین ہو چکا ہے کہ کشمیر کے عوام اپنا حقِ خودارادیت حاصل کر کے رہیں گے اور ان کے لئے ایک ہی طریقہ کار ہے کہ پاکستان جو اس کو moral اور political support دیتا ہے اس کو کسی طرح روکا جائے۔ تو ان تین سالوں میں جب ہم سوئے رہے ہیں تو انہوں نے ہماری اسلامی امہ خاص کر اور ساری دنیا کو یہ یقین دلایا کہ ہندوستان میں سیکولر حکومت ہے۔ لیکن میجارٹی ۷۰ کروڑ کی ہندوؤں کی ہے اور وہ ہندو ۱۵ کروڑ کے ساتھ وہ کام کریں گے جس کا آپ سوچ بھی نہیں سکتے اور بابری مسجد ان کو ثابت کرنے کے لئے ایک نشانی تھی کہ یہ ہم کر سکتے ہیں اس لئے وہ لوگ جو ہمارے ہمدرد ہیں اور ہمارے ساتھ بھی ہیں وہ بھی ہماری امداد نہیں کر سکے کیونکہ وہ بارہ کروڑ جو کہ ہم لوگ بالکل محفوظ ہیں۔ ان کی امداد اس لئے نہیں کر رہے ہیں کہ وہ ۱۵ کروڑ آبادی کو انہوں نے ثابت کیا کہ جیسے مسجد ٹوٹ سکتی ہے۔ اس طرح ہم مسلمانوں کو بھی توڑ سکتے ہیں۔ اور انہوں نے قتل بھی کیا ہزاروں مسلمانوں کو۔

جناب والا! اس وقت آپ سوچیں، ہندوستان سب سے بڑا ملک ہے اور ہم اس کو کسی طرح ignore نہیں کر سکتے۔ امریکہ کی بھی ضروریات پوری ہو گئی ہیں۔ وہ ہم میں interested نہیں ہیں۔ وہ ہندوستان کے ساتھ ہو گیا ہے۔ اس وقت ان کے خیالات ہندوستان کی امداد کرنے کے ہیں۔ لیکن یہ میں کہوں گا کہ ہماری diplomatic failure ہے کہ ہم اتنے بڑے ملک کے ساتھ ہماری کبھی بھی جنگ کے زمانے میں بھی ثابت نہیں ہو سکتے کہ ہمارے تعلقات diplomatically اتنے low level پر تھے۔ جناب والا! ہمارے diplomats کو مارا گیا۔ ہمارے لوگوں کو

وہاں پر شہید کیا گیا اور ان کی لاشوں کو جلایا گیا، مسخ کیا گیا- یہ ۱۹۶۵ء اور۱۹۷۰ء کی جنگ میں بھی نہیں ہوا، یہ probably ہمارے اس failures کی بات ہے کہ ہم اس قابل نہیں ہوئے کہ دنیا میں اپنے لئے صحیح راستے متعین کر سکیں- ہم افغانستان سنٹرل ایشیا کی بات کر رہے ہیں- ٹھیک ہے ہمارے لئے بڑے مواقع ہیں اور ECO کے ذریعے یہ ۲۰ کروڑ مسلمان اکٹھے ہو جائیں گے لیکن جو رشتے اکٹھے کرنے کے ہیں وہ ٹوٹے ہوئے ہیں- افغانستان کے ذریعے آپ رکے ہوئے ہیں اور پاکستان اپنا part play نہیں کر رہا ہے جو کہ افغانستان کو آج اس کے امن میں play کرنا چاہیئے- پاکستان اس کے لئے بہت active part ہے یہ نہیں کہ وہاںinterference کرے لیکنculturallyاورgeographicallyہم ان کے ساتھ ہم ایسےattachedہیں کہ ہم ان راستوں کو آگے بڑھائیں، ہم اس سنٹرل ایشیا کے راستوں سے اور ان کی مارکیٹوں اور ہمارے جو راستے ہیں اس سے کبھی بھی فائدہ نہیں اٹھا سکیں گے-

یہی حالات ہمارے ساتھ ہوں گے جب ہم گلف آئل کے boom کے وقت ان سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکے کیونکہ ہم تیار نہیں تھے ہماری جو اس وقت nationlization policy آئی ہمارے ملک کو تباہ و برباد کر دیا- ہمارے ملک میں industry رک گئی، ہمارے پاس کوئی چیز تھی ہی نہیں کہ ان کو بھیج سکیں ان تک ہمارے پاس کوئی چیز تھی ہی نہیں کہ پہنچا سکیں بغیر مزدوروں کے- ہم نے مزدور بھیجے- آج آپ ان کے شکار کو روک رہے ہیں- یہ بہت معمولی قربانی ہے- آج اگر صوبہ سرحد کے قبائل خاموشی سے بیٹھے ہوئے ہیں- پاکستان کے اور علاقوں میں بھی یہ امن جو قائم ہوا ہے ان کے اور ہزاروں لوگ directly اور indirectly ان گلف ممالک میں آباد ہیں کسی طور پر معمولی شکار پر ہمیں یہ بات اٹھانی ہی نہیں چاہیئے تھی- یہاں پر ہم بڑے excited ہو جاتے ہیں کہ شکار جتنے تیتر ہم مارتے رہے ہیں یا ہمارے آمر تین تین ہزار تیتر ایک ایک دن میں مارتے رہے ہیں کسی نے وہ آواز نہیں اٹھائی- آپ کے بارڈر کے علاقے پر میں نے ایک آفیسر کو دیکھا کہ اس نے ۷۰ ہرن مارے تھے- آپ نے اس وقت تو یہ نہیں کہا کہ extinction of species ہو رہی ہے-

جناب والا! ہمیں تحمل سے کام لینا چاہیئے- ہمیں وہ کام کرنا چاہیئے جس میں قومی آبادی اور قوم کی بھلائی کی بات ہو- جناب والا! ہمیں اپنے گردونواح

ممالک کے ساتھ on equality اپنے relations صحیح طور پر قائم کرنے چاہیئیں۔ میں آج بھی اس کے حق میں ہوں کہ ہماری مخالفت کے باوجود ہمیں ہندوستان کے ساتھ بہت اچھے diplomatic تعلقات قائم کرنے چاہیئیں۔میں ڈاکٹر ریحان صاحب کی بات کو endorse کروں گا لیکن equality کے اوپر۔

دوسرے یہ کہ ہمیں اپنے نیوکلیئر پروگرام کو کسی طرح بھی نہیں روکنا چاہیئے کیونکہ اگر ایک بند ہو جائے تو تب بھی ہم بھوکے اور ہم deterrent نہ رکھیں تو ہم تب بھی مر رہے ہیں۔ بہتر طریقہ یہ ہے کہ مرنا وہ گیدڑ کی موت اور شیر کی موت والی بات ہے کہ ہماری ایک دن کی زندگی ہمیں پسند ہے۔ سو سال کی گیدڑ کی زندگی پسند نہیں ہے۔ ہم اپنی deterrent اگر پاکستان کے آگے نہیں بڑھ چکا ہے میں چاہوں گا کہ ہم اس حد تک پہنچیں کہ ہمارے پاس ایک deterrent ہو۔ مسلمان ظالم قوم نہیں ہے ہم کبھی ظلم نہیں کریں گے۔ وہاں پر بھی ہمارے مسلمان آباد ہیں ہم کبھی بھی یہ نہیں کریں گے کہ nuclear war کریں گے اور ان پر بم پھینکیں گے کیونکہ وہاں پر بھی اتنے لوگ آباد ہیں جتنے یہاں پر آباد ہیں لیکن ہماری یہ خواہش ہے کہ ہمیں کوئیtouchکرنے کے لئے ہمارے پاسdeterrentہو۔ شکریہ جناب۔

جناب چیئرمین : شکریہ جناب شاہ صاحب۔ مندوخیل صاحب۔

(مداخلت)

جناب چیئرمین : اب آپ کو خوشی ہو گی پورا کورم بھی ہے سب سن بھی رہے ہیں۔

جناب عبدالرحیم خان مندوخیل: ہاں جناب کورم بھی ہے لیکن یہ کہ ایسا ہو گا-----

(مداخلت)

جناب عبدالرحیم خان مندوخیل: پھر یہ اپنی اپنی تقریر کر کے چلے

جاتے ہیں۔ وہ جیسے بے ادبی معاف وہ شاعر اپنے شعر سنا کر چلے جاتے ہیں تو یہاں ایسا ماحول پیدا ہوتا ہے۔

جناب چیئرمین : وہ تو یہ کہتے تھے نا کہ اپنا شعر سنا گیا میرا نہیں سنا۔

جناب عبدالرحیم خان مندوخیل: جناب ہم تو بیٹھے ہوتے ہیں دوسرے کی بھی سنتے ہیں اور خود بھی اگر کوئی سننا چاہے تو سنا دیتے ہیں۔

جناب چیئرمین! میں آپ کا مشکور ہوں کہ آپ نے جناب صدر محترم کے ۲۲ دسمبر کے پارلیمنٹ کے مشترکہ اجلاس کے اس اہم خطاب پر بحث میں حصہ لینے کا موقع دیا۔ جناب چیئرمین! جناب صدر محترم کی statement جو ہے اس میں جیسے کہ دوسرے دوستوں نے، معزز اراکین نے مختلف پہلوؤں پر بات کی اس میں کچھ تقریباً کل سات نکات انہوں نے لئے ہیں۔ پھر ہر نکتے کے کچھ ذیلی نکات ہیں تو ہمارے دوسرے نے جن پہلوؤں پر بات کی میں کوشش کروں گا کہ وہ repeat نہ کروں۔ البتہ ان کے مختلف aspects پر ضرورت ہوئی تو بحث کروں گا۔

جناب چیئرمین! پہلی بات جمہوریت کی۔ جمہوریت کے کلچر کی ہوئی ہے اس کے بعد ملکی معاملات میں ترجیحات کی اور انہوں نے ذکر کیا ہے کہ ترجیحات ایسی ہوتی ہیں کہ اس میں سب کا اتفاق ہوتا ہے۔ اسی طرح پھر پارلیمنٹ کی کارکردگی پر بحث کی ہے۔ بعد میں معیشت اور اس کے مختلف پہلوؤں پر اور پھر جناب والا! امن و امان کا مسئلہ اور پھر عالمی حالات اور خارجہ پالیسی۔ یہ اہم ہیں اور آخر میں منزل اور عزم کا ذکر کیا ہے۔

جناب والا! جمہوریت کے حوالے سے تو بنیادی بات یہ ہے کہ ہمارے ملک میں جمہوریت کی اپنی جو تعریف ہے وہ یہ ہے، ہم نے جو کچھ سیکھا ہے یا پڑھا ہے یا دیکھا ہے یا سمجھا ہے کہ جمہوریت کے مختلف پہلو ہوتے ہیں۔ ایک بنیادی حقوق، عوام کا اپنا اقتدار اور اس کے ساتھ قوموں کا اقتدار ہمارے ملک میں جمہوریت، مجموعی طور پر جس طرح اس کو نقصان پہنچایا گیا ہے۔ اس کے ان دونوں پہلوؤں پر ایک طرف تو یہ ملک، جیسا کہ دوسرے دوستوں نے کہا، حقیقت یہ ہے کہ یہ multi-national state ہے۔ اس کے بارے میں بھی، ہمارے اقتدار کے بنچز

والے مختلف نعروں کو استعمال کر کے حقیقت کو جھٹلانے کی کوشش کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ ملک multinational state ہے اور ہر قومیت جو یہاں ہے اس کی اپنی ثقافت، اس کی اپنی زبان، اس کا اپنا جغرافیہ، اپنی نفسیات اور پھر ہم ایک دوسرے کے ساتھ رہتے ہیں۔ ہماری ایک سٹیٹ ہے، ہمارا ایک ملک ہے۔ تو جمہوریت میں یہاں ایک اہم پہلو جس کے خلاف زیادتی کی گئی ہے وہ یہی ہے کہ ملک کو فیڈرل سٹیٹ بنانے کے لئے جو بھی کوششیں ہوئیں اور جو حقائق تھے ان کے خلاف مسلسل عمل کیا گیا اس کی تفصیلات میں، میں نہیں جاؤں گا کہ کون سا مارشل لاء اور کون سا آئین؟ وہ سب کو معلوم ہے۔ بہرصورت اس حقیقت کا اگر مستقبل میں بھی انکار کیا گیا کہ یہ ملک multinational state نہیں ہے اور ان کی اپنی جو یہاں قومیتیں ہیں، ان کے اپنے آپ پر حکومت کرنے کا اور ملک کے مرکز میں اقتدار میں شراکت، برابری کی بنیاد پر شراکت اگر اس اصول کو ملحوظ خاطر رکھا نہ گیا تو جناب والا! ہمیشہ مشکلات درپیش ہوں گی اور اس میں ماضی میں جو کچھ ہوا ہے، وہ ہوا ہے لیکن آئندہ کے لئے بھی ہم جب یہاں دیکھتے ہیں تو حقیقت میں وفاق کے اصول کو بالخصوص اس کے خلاف عمل ہوتا ہے اور پھر اس میں جناب والا! یہ بات بھی، میں آپ کی توجہ دلانے کے لئے کروں گا کہ ایک خاص صوبے کے لوگ ہیں جنہوں نے یہ خصوصی طور پر کیا ہے۔ ہمارے آئین کی تاریخ میں آپ جب بھی دیکھیں گے مارشل لاء لگا ہے یا کوئی آمریت آئی ہے تو اس میں جن لوگوں نے آمریت مسلط کی ہے تو اس میں ایک خاص صوبے کا ہاتھ ہے اور اگر اب اس حقیقت سے ہم اس بنیاد پر انکار کریں کہ لوگوں کو ابھی یہاں، جیسے کہ ہمارے ایک دوست نے بھی کہا کہ بس ہم پاکستان ہیں اور پاکستان کے علاوہ کچھ نہیں ہیں تو ہم کہتے ہیں جناب والا! پاکستان یہ چار قومیں ہیں، یہ پاکستان ہے، پاکستان کے معنی یہ نہیں ہیں جس طرح کہ یہاں لیا جاتا ہے کہ پاکستان کے معنی ہیں لاہور۔ پاکستان لاہور نہیں ہے۔ پاکستان ایک ملک ہے۔ اس میں قومیں ہیں اور ہم یہاں ملکر رہتے ہیں، ہمارا مفاد ایک ہے۔ لہذا یہاں کے آئین میں، یہاں کے سٹیٹ کے اداروں میں، یہاں کی سماجی، معاشی زندگی میں ہمیں مکمل نمائندگی ملنی چاہیئے اور ملے گی۔

جناب والا! یہاں جمہوریت کے کلچر کے حوالے سے جب ہم بات کریں گے، یہاں اس بات پر بڑا زور دیا جاتا ہے کہ پارلیمنٹ میں بات کرو، اسمبلی میں بات کرو، ہم اس کے قائل ہیں لیکن اگر اسمبلیوں اور پارلیمنٹ میں آپ عوام کے حقوق

عوام کو نہیں دیتے تو پھر کیا ہو گا، پھر تمام لوگ اصل پارلیمنٹ کے پاس جائیں گے، عوام کی پارلیمنٹ میں جائیں گے اور یہی چیز ہمارے اس موجودہ آئین میں ہے۔ دنیا کے ہر آئین میں، ذرا بھی جس میں جمہوریت ہو اس میں یہ بات ہے کہ اسمبلیوں میں، پارلیمنٹ میں بات کریں گے لیکن ساتھ ہی ساتھ اپنے جو مفادات ہیں ان کے بارے میں جو مسائل ہیں ان کے بارے میں اپنے عوام میں جا سکتے ہیں، ان کو سمجھا سکتے ہیں اور ان کی رائے لے سکتے ہیں۔ اصل پارلیمنٹ تو پھر عوام ہیں۔ جب آپ یہاں ایسے طریقے اختیار کریں گے کہ ابھی تک آپ یہاں کہتے ہیں کہ جی یہ مختلف جو اکثریتیں بنتی رہتی ہیں مجموعی اس ملک کے میجارٹی عوام، ان معنوں میں میجارٹی قوموں کی، ان کے حقوق کے بارے میں آپ اسمبلی میں کوئی تجویز نہیں لاتے، آپ کوئی ایسی آئینی ترمیم نہیں لاتے۔ آپ صوبائی خود مختاری، جو کہ ۱۹۷۳ء کے آئین میں دی گئی تھی، جو کہ ہمیں قبول نہیں تھی پھر بھی ملک کی خاطر اس پر اتفاق ہوا اور پھر جو وعدہ ہوا کہ دس سال کے بعد ہم کنکرنٹ لسٹ (concurrent list) کو ختم کریں گے، ہم صوبائی خودمختاری کو وسیع کریں گے۔ لیکن ۱۹۷۳ء اور ۱۹۹۳ء میں بیس سال کا فرق ہے، بیس سال میں کوئی صوبائی خود مختاری نہیں۔ صوبائی خود مختاری میں وہ ۱۹۷۳ء کی صوبائی خود مختاری پر کوئی عمل نہیں ہو رہا اور پھر اس کے بعد یہاں آ کر لوگ کہتے ہیں کہ جی آپ احتجاج سے، مظاہرے سے، عوام تک جانے سے، یعنی بڑی پارلیمنٹ کے پاس جانے سے آپ رک جائیں۔ ایسا نہیں ہو گا۔ نہ یہ آئین کا تقاضا ہے نہ یہ جمہوری سیاست کا تقاضا ہے۔

اسی طرح جناب والا! جمہوریت، جمہوریت کا دوسرا پہلو ہے کہ عوام کا اپنا اقتدار ہو اور یہاں ہمارے ملک میں آپ دیکھ سکتے ہیں کہ یہاں اقتدار، میں نے جیسے عرض کیا پہلے، وفاق کی بالکل نفی ہے۔ ایسا اقتدار، ایک صوبے کا اقتدار اور پھر عوام کے اقتدار کی نفی، یہاں ایسی زندگی رہی ہے۔ یعنی یہاں آمریت رہی ہے مارشل لاء کی شکل میں، دوسری شکلوں میں، حتیٰ کہ موجودہ جو اس میں ہم کہتے ہیں جو آٹھویں ترمیم ہے یعنی آپ حیران ہوں گے کہ اس آئین میں ایک شخص کا نام باقاعدہ ایک آرٹیکل میں دیا گیا، جنرل ضیاء الحق صاحب کا نام دیا گیا ہے آئین میں۔ ہم نے تو کم از کم کسی آئین میں کسی شخص کا نام تک نہیں پڑھا تو یہاں وفاق کے مفاد کے خلاف، جنرل عوام کے مفاد کے خلاف مسلسل عمل ہوا ہے۔

صدر محترم جب یہ فرماتے ہیں کہ کلچر سیاسی کلچر، سیاسی کلچر بنانے کے خلاف کس نے کام کیا ہے۔ یہاں ابھی ہمارے ایک محترم دوست نے وہاں سے بات کی کہ یہ کلچر نہیں بن رہا اور اس میں رکاوٹیں ہیں اور سب سے بڑی رکاوٹ انہوں نے یہ بتا دی کہ جی لانگ مارچ ہو رہا ہے اور ٹرین مارچ ہو رہا ہے یہ بہت بڑی رکاوٹ ہے۔ اور یہ بڑی رکاوٹ نہیں ہے کہ آپ مارشل لاء لائیں، یہ بڑی رکاوٹ نہیں ہے کہ آپ مسلسل آمریت لائیں، آپ آئینی اداروں کو ختم کریں، یہ رکاوٹ نہیں ہے بلکہ یہ رکاوٹ ہے۔

جناب والا! جناب صدر محترم نے ایک اہم بات کی طرف توجہ دلائی ہے کہ ملک میں ایسی ترجیحات ہو سکتی ہیں جس پر اختلافات نہیں ہونا چاہیئے اور اس میں جن چیزوں کا انہوں نے حوالہ دیا ہے ان میں سے دو باتوں پر میں بات کروں گا ایک ملکی اتحاد ہے اور ایک تعلیم ہے ایسی اور بھی باتیں ہیں جناب والا! یہ صحیح ہے۔ ان مقاصد کی ترجیحات ہو سکتی ہیں۔ لیکن دیکھنا یہ ہے کہ آیا ان مقاصد کی ترجیحات کے لئے حکمت عملی ایک ہو سکتی ہے یا نہیں؟ اب ہم ملکی اتحاد لیتے ہیں، ملکی اتحاد کے معنی یہاں لئے جاتے ہیں کہ بس ایک صوبے کا اقتدار بناؤ باقی سب جو ہیں وہ نیست، نفی، اور ایک صوبہ ہے اور اس کا اقتدار ہے ملکی اتحاد، یہ حکمت عملی ہے جناب والا! یہ ملکی اتحاد کی حکمت عملی نہیں ہو سکتی۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ یہ اس مقصد تک ہمیں نہیں پہنچا سکتی۔ یہ ان کی حکمت عملی ہے۔ اب جناب والا! آپ ہمیشہ سینٹ میں، پارلیمنٹ میں مختلف فگرز لاتے ہیں۔ یہاں ہم بات کرتے ہیں، جناب والا! یہاں دو تین سال سے ہم دیکھتے ہیں، بلکہ نواز شریف صاحب کی حکومت کے دن سے کہتے ہیں کہ سروسز پر ban ہے۔ اور اس ban کے باوجود یہاں ریکارڈ پہ یہ آیا کرتا ہے کہ یہاں سینکڑوں لوگ ۱۶ گریڈ کے ۱۷ گریڈ میں باقاعدہ ریکروٹمنٹ کی گئی۔ اور جب لسٹ ہم اٹھاتے ہیں۔ تو وہ پنجاب کے صوبے کے ہوتے ہیں۔ چپڑاسی سے لے کر بڑے گریڈ تک یہ سب پنجاب کے صوبے کے ہوتے ہیں۔ اور اس کے بعد پھر لوگ ہم سے کہتے ہیں کہ آپ لوگ اتحاد کے مخالف ہیں۔ ابھی پچھلے دنوں میں یہاں کمپلیکس ۱۹۹۲ء کے جو نئے ریکروٹمنٹ تھے، یہاں ہم حیران ہیں جناب والا! پارلیمنٹ میں ہم دیکھتے ہیں کہ یہاں لوگ بیروزگار وزیروں کے پیچھے بھاگے بھاگے پھرتے ہیں اور وزیر صاحبان یکم جنوری ۱۹۹۲ء کے بعد وزیر صاحبان کہتے ہیں لیکن رولز پر عمل ہو گا۔

نئے رولز بنائے گئے ہیں- لیکن نئے رولز میں جناب والا! کیا ہے کہ اشتہار دیا جائے گا، تحریری ٹیسٹ ہو گا، ایسے ایسے اصول ہوں گے- لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ ادھر ادھر رولز کی دعویداری لیکن عمل نہیں ہے جناب والا! کوئی اشتہار نہیں دیا ban گیا ہے- کمپلیکس کے ہسپتال میں- یہ میں صرف ایک نمونہ بتا رہا ہوں- یعنی ۴۹۳ ملازمتوں میں سے سینکڑوں ملازمتیں بڑے گریڈ کے وہ پنجاب کے صوبے کے ہیں- اور میں آپ کو دکھا سکتا ہوں- یہاں ہمارے وزیر صاحب کہتے ہیں کہ آئندہ کے لئے کوئی ایسا کیس ہو آپ ہمارے پاس بھیج دیں- یعنی ہم اتنے کہ آپ کی ایک سفارش مانیں- بابا ہم اصولوں کی بات کرتے ہیں، اصول کیا ہیں، آپ سینکڑوں لوگوں کو روزگار دیتے ہیں لیکن میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ کوئٹہ سے ایک چپڑاسی کے لئے گیس کے محکمہ میں کوئٹہ کے تمام وزراء نے سفارش کی ہے لیکن ایک چپڑاسی کو ملازمت نہیں ملی ہے- ایک چپڑاسی کو یہاں سے واپس بھیجا گیا- لیکن جب ہمیں لسٹ ملتی ہے تو اس میں سینکڑوں گریڈ کے لوگ ہوتے ہیں- اس کے بعد پھر ہمیں کہتے ہیں کہ ملکی اتحاد ------ ملکی اتحاد کی کیا strategy ہو سکتی ہے، ملکی اتحاد صرف اس شرط پہ ہو سکتا ہے کہ ملکی اتحاد میں ہمارے ملک کے باشندوں کے، ہماری قومیتوں کے ، ہمارے حقوق کا خیال رکھا جائے- ہمارے مفادات کا خیال رکھا جائے-

اب یہاں جناب والا! یہی بات پشتون خواہ صوبہ کا مسئلہ ہے- یعنی اس میں کیا بات ہے- جیسے کہ ہمارے بشیر خان مٹہ نے فرمایا کہ اس میں کیا یعنی وہ ہے کہ پنجاب کا صوبہ ہے، سندھ کا صوبہ ہے، بلوچوں کے لئے بلوچستان کا صوبہ ہے، یہ علیحدہ بات ہے کہ منظور گچکی صاحب کے ساتھ with due respect کہ ہم بھی وہاں ایسے ہی مسلط ہوگئے ہیں- لیکن پشتون کے بارے میں جناب والا! پشتون ہونا جو ہے وہ گناہ ہے، غیر اسلامی ہے، پاکستان کے آئین کے خلاف ہے، سمجھ نہیں آتی کہ یہ کیا منطق ہے- اب میں اس کی تفصیلات میں نہیں جاؤں گا- کل بشیر مٹہ صاحب نے جو بات کی ہے کہ آپ مغل کی بات کرتے ہیں، اور مغل کلچر کی بات کرتے ہیں- ہم ان باتوں کے علاوہ یہ کہتے ہیں کہ بابا ہمارے اس ملک کے خطے میں، ہمارے لوگوں کا ایک مثبت رول رہا ہے، اور اس کے بعد آپ جن لوگوں نے role play کیا ہے ان کو آپ condemn کرتے ہیں- آپ اخبار میں، ریڈیو میں، ٹیلیویژن میں بالکل ایسے لوگوں کو لے آتے ہیں جنہوں نے ہمارا خون کیا ہے، جنہوں نے ہمارے سروں کے مینارے لگائے ہیں، جو ہماری

عصمتوں کے ساتھ کھیلے ہیں اور اگر وہ نام ہم لیں تو ہم مسلمان ہیں، اگر وہ نام ہم لیں تو پاکستانی ہیں، اور اگر ہم نے یہ کہا کہ ہم بھی اس ملک کے باشندے ہیں، اور اس ملک کے حصہ دار ہیں، اور اس میں ہمارا بہت بڑا رول ہے، میں یہ کہوں گا کہ سیاسی، معاشی طور پر آج بھی وسائل کے لحاظ سے اگر کسی سے آگے نہیں تو کسی سے بھی پیچھے نہیں ہے۔ اس کے باوجود لوگ ہمیں کہتے ہیں کہ نہیں، آپ پشتونخواہ لفظ کا نام کیوں لیتے ہیں۔ بلکہ میں حیران ہو جاتا ہوں کہ ہمارے محترم چیئرمین صاحب ایسے کہتے ہیں کہ یہ قانون میں نہیں ہے، جناب والا! قانون میں کیا ہے،. قانون میں بہت ساری چیزیں نہیں ہوتی ہیں، قانون غلط بنتے ہیں، لیکن ہم قانون کا یہاں صرف اس حد تک احترام کرتے ہیں کہ ہم قانونی طور پر تسلیم -----

جناب چیئرمین: میں اس کی وضاحت کرتا ہوں کہ آپ کا یہ کہنا کہ یہ ہونا چاہیئے، وہ تو آپ قانون لائیں ہو سکتا ہے، آپ کا یہ کہنا کہ ہے، وہ غلط ہے، اگر آپ کہیں کہ میں پختونخواہ کی طرف سے بول رہا ہوں تو وہ تو کوئی صوبہ نہیں ہے، اگر آپ کہیں کہ قانون بنائیں، بدل دیں تو وہ آپ کر سکتے ہیں۔

جناب عبدالرحیم خان مندوخیل: جناب والا! شکریہ۔ اگر ہم تاریخی بات کی طرف توجہ دلائیں، جو ہماری تاریخ میں رہا ہے، ہم کہتے ہیں مہران، ایک اہم بات ہے، ہماری تاریخ کا حصہ ہے، ہم کہتے ہیں مہران، اگر ہمارے تاریخی علاقے کا ایک نام ہو اور ہم اس کو یہاں بیان کرتے ہیں، وہاں گورنمنٹ بنچز سے وہ لوگ اٹھتے ہیں ہم حملہ آور ہو جاتے ہیں۔ جناب والا! ہماری عرض ہے کہ اس میں کیا نقصان ہے کہ پشتونوں کی شناخت، پھر دوسرا مسئلہ ہم کو بالخصوص انگریز نے ہمیں تقسیم کیا، ہم نے انگریز کے خلاف آزادی حاصل کی ہے تمام پاکستان نے، اس میں ہمارا رول ہے اور اس کے بعد جو کچھ ہوا ہے، ابھی سب یونٹ قومی یونٹ بن گئے ہیں، ان کی تہذیب، ثقافت کے لحاظ سے بنے ہیں، ہم اس پر ناراض نہیں ہیں، خوش ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ یہ بالکل صحیح ہیں، اپنی زبان کے مطابق بنے ہیں۔ لیکن ہمارے ایک طرف جو این ڈبلیو ایف پی، دوسرے کا نام بلوچستان، وہاں ہماری زمین کو رکھا گیا ہے، اور بعض لوگ یہ بھی کہہ لیتے ہیں کہ جناب آئیں اس پر ریفرنڈم کرتے ہیں، ہماری پشتون زمین، اس کی تاریخ ہے، آئینی تاریخ ہے، پولیٹیکل تاریخ ہے، شوشل تاریخ ہے لیکن ہم یہ کہتے ہیں کہ

اگر ریفرنڈم ہے تو پھر سب کے لئے ہے۔ پنجاب پر بھی ریفرنڈم ہوگا، سندھ پر بھی ریفرنڈم ہوگا، بلوچستان پر بھی ریفرنڈم ہوگا۔ ایسا نہیں ہے۔ لیکن یہاں ہمارے ملک میں مجموعی طور قوموں کے حقوق کے بارے میں ماضی میں ایسا رویہ رہا ہے، مستقبل کے رجحانات ایسے نظر آرہے ہیں کہ وہ ملک تمام پاکستان کو نہیں کہتے ہیں، ملک ایک صوبے کو کہتے ہیں، جناب والا ہمارا یہ بالکل مطالبہ ہے، اور یہ ہماری تمام پاکستان سے، تمام پارٹیوں سے اپیل ہے کہ آپ reason سے کام لیں۔ اس ملک کے صحیح مستقبل کے لئے ایک وفاق، اور یہ وفاق جو ہے رضاکارانہ ہے ایک دوسرے پر تسلط کا نہیں۔ ہمارے وسائل کے بارے میں یہی ابھی واپڈا کا مسئلہ آپ نے دیکھا۔ واپڈا کے ایک سو چالیس سال میں کوئی پانی کا، کوئی بجلی کا یہ کچھ نہیں دے رہے تھے۔ ابھی نئے جو ہیں وہ دے رہے ہیں۔ اس کے بعد انہوں نے نیا طریق نکالا کہ جی چلو نجی شعبے میں دے دیتے ہیں۔ حتی کہ آئین میں جو الفاظ ہیں جناب والا! وہاں لکھا ہوا ہے net profit اور ہم دیکھ رہے ہیں کہ یہاں لوگ سوچ رہے ہیں کہ net profit کا لفظ نکال دیا جائے۔ اور net profit کے لفظ کو نکالنے کے معنی ہیں کہ بجلی جو ملکیت ہے پشتونخواہ صوبہ کی وہ دراصل نکالنا چاہتے ہیں کہ اس کی ملکیت جو ہے وہ ختم ہو جائے۔ جناب والا! اگر یہ مقاصد ہوں گے، یہ پروگرام ہو تو پھر اس میں جناب والا! ملکی اتحاد کیسے بنے گا۔ اور ملکی اتحاد کے خاتمے کا ذمہ دار کون ہوگا۔ جناب والا! اس کے ساتھ یہاں اور بھی بہت اہم پہلو ہیں لیکن اس میں، میں بالخصوص ہمارے علاقے کوئٹہ کے پشتونخواہ وطن کے، اس کے بارے میں، میں یہ کہوں گا کہ جو کام یہاں ملکی سطح پر، وہاں پنجاب کی طرف سے ہو رہا ہے۔ وہاں ہمارے بھائی ہمارے خلاف ہیں۔ آپ ریکارڈ اٹھائیں۔ جناب والا! ایک سروس بھی ہمارے آدمی کو نہیں دی گئی۔ آپ سینٹ کے کمیشن بنائیں، آپ انکوائری کریں ہمارے آدمی بالکل تعلیم یافتہ، ہر قسم کے کوالیفائیڈ، ہر سبجیکٹ کے لئے تیار لیکن جناب والا! درخواست ہاتھ میں ہے اور کوئی جناب والا! ملازمت نہیں ہے، اور پھر کہتے ہیں کہ رولز میں نہیں ہے۔

جناب چیئرمین: سب کا یہی حال ہے جی۔

جناب عبدالرحیم خان مندوخیل: نہیں جناب والا! میں عرض کر رہا ہوں۔ discrimination کا مسئلہ ہے۔ یہ کیا حال ہے۔ میں اور پہلو سے بات کر رہا ہوں۔ یہ کہتے ہیں کہ ہم نے آپ کو فنڈ دیا اپوزیشن کو۔ سب کے لئے پچاس

لاکھ- لیکن ایک کروڑ چالیس لاکھ جو ہے وہ سرکار کی پارٹی کے لئے ہے- ہم کہتے ہیں کہ کوئی ایسا کیس آپ کے پاس رہا کہ اپوزیشن میں ایک کروڑ چالیس لاکھ دیئے ہیں- اب یہ کیسی حالت ہے کہ جناب سب کی حالت ایسی ہے ---- لیکن آتے آتے پنجاب کو ملازمتیں مل جاتی ہیں، اور ہمارے پڑوس میں جو ہیں وہ جناب والا! بغیر انٹرویو، بغیر امتحان کے، بغیر کیسی رول کے بڑے بڑے عہدوں پر لگ جاتے ہیں- اور جو ہمارے لوگ ہیں--- پھر یہ کہتے ہیں کہ سروسز پر جھگڑا ہے- بابا سروسز پر جھگڑا ہے تو ہے- سروسز کا مسئلہ ہے یعنی روزگار کا مسئلہ ہے- جب آپ لوگوں کو روزگار نہیں دیتے- اور لوگوں کے ساتھ discrimination کرتے ہیں- اور ان کے روزگار کا خاتمہ کرتے ہیں تو انہوں نے تو یہ بات کرنی ہے اور ان کی پہچان کیا ہے discrimination کی کیونکہ وہ ایک خاص زبان بولتے ہیں- چونکہ وہ خاص علاقے میں رہتے ہیں- ان لوگوں کے خلاف ہیں کہ ان کو تو نکالو- تو جناب والا! ہم مجموعی طور پر پشتون کے بارے میں ہم یہ request کرتے ہیں- یعنی ایک قسم کے پاکستان کے عوام کے بڑے پارلیمنٹ کو اور پاکستان کے عوام کے اس پارلیمنٹ کو ہم request کرتے ہیں کہ ہمارا مسئلہ سنا جائے- پشتون کی وحدت، پشتونستان، پشتوان خواہ کوئی گناہ نہیں ہے جناب والا! یہ پاکستا کا حصہ ہے- پاکستان کا ایک صوبہ ہے- پاکستان کا ایک فیڈریٹنگ یونٹ ہے اور پاکستان کا ایک ایسا فیڈریٹنگ یونٹ ہے جو پاکستان کی بہتری میں ہے- جس کے وسائل ہیں، جس نے وسائل دیئے ہیں اور جناب والا! اسی طرح پھر جو ہمارے اس وقت خصوصی طور پر حالات ہیں مثلاً ہم جنوبی پشتون خواہ کہتے ہیں وہاں جو ہمارے ساتھ discrimination ہے وہاں ہمارے حقوق، ہماری سیاسی خودمختاری، اس کے بارے میں ہم اپیل کرتے ہیں-

جناب والا! تعلیم پر آجائیں- جس طرح میں نے عرض کیا کہ وفاق اور پھر جمہوریت کا وفاقی پہلو، قومیتوں کا پہلو اور جمہوریت کا عوام کے حوالے سے پہلو- جناب والا! تعلیم کی تفصیل میں، میں نہیں جاؤں گا لیکن میں اتنا عرض کروں گا کہ جو پالیسیاں ابھی بن رہی ہیں جو رجحان ہمارے ملک میں ہے- انگریز کے دور میں اتنا تھا کہ پبلک سکول ہوتے تھے- پبلک سے یہاں میرا مطلب ہے کہ state run schools پبلک سے میرا مطلب وہ اپر کلاسز کا سکول نہیں- پبلک سکول ہوتے تھے جناب والا! ہم نے ان میں پڑھا ہے- یہ تمام جو یہاں طالب علم ہیں یعنی معزز اراکین میں سے چند لوگ کسی اور کالج مین پڑھے ہوں گے- ہم سب state run

schools میں پڑھے ہیں۔ اس کی اتنی معقول فیس ، ہماری غربت کا بھی خیال، عوام کا خیال، یہ انگریز کے زمانے کا ہم لوگ کہتے تھے کہ جی وہ کلرک پیدا کرتے تھے۔ اور ابھی کیا پالیسی ہے جناب والا! تعلیم کے بارے میں۔ ابھی ایک efficiency کے بہانے کہ efficiency ضروری ہے۔ efficiency کے بہانے جناب والا! نئے سکول، گرائمر سکول، فلاں privatisation ہو رہی ہے۔ جناب والا! ابھی ایک یہاں انسٹی ٹیوٹ بن رہا ہے ٹوپی میں۔ ہمارے پشتون خواہ کے ٹوپی میں، صوابی کے ٹوپی میں اور اس کا نام ہے جی آئی کے یعنی جناب غلام اسحاق خان کے نام پر انسٹی ٹیوٹ ہے سائنس کا اور ہم بڑے خوش ہیں۔ لیکن جناب والا! اس میں ایک لاکھ دس ہزار روپے سالانہ فیس کا خرچہ ہے۔ میرے خیال سے آپ ہمارے چیئرمین ہیں آپ یہ خرچہ برداشت کر سکیں گے۔ ہمارے تمام سینٹ میں مجھے تو کم از کم کوئی اور شخص یا ایک ہوتی صاحب ہیں ایک لاکھ دس ہزار سالانہ جناب والا! اور اندازہ لگتا ہے کہ وہ ہمارے ہاؤس کے لیڈر ہیں اور کچھ ہم علاقے سے بھی بلد ہیں تو ہمارے ہاؤس کے جناب والا! آپ چیئرمین ہیں تو آپ کے پاس ہیں پیسے۔ آپ کا بچہ ہو آپ پڑھا سکتے ہیں باقی ہمارے سینٹ کے پارلیمنٹ کے ممبران نہیں پڑھا سکتے۔ پارلیمنٹ کے ممبران نہیں پڑھا سکتے اور یہاں آکر تعلیم کے ماہرین ہمیں کہتے ہیں جناب والا! ایفیشینسی۔ ابھی ژوب میں جناب والا! ایک سکول بن رہا ہے۔ ہمارا ایک ہائی سکول تھا جس میں کافی لوگوں نے تعلیم حاصل کی۔ ابھی وہاں ایک سکول بن رہا ہے جو ہائی سکول تھا جس میں سینکڑوں طالب علم ہوتے تھے جناب والا! اس سکول میں کیا بات تھی اس میں جناب والا! آج پینے کا پانی بھی نہیں ہے۔ پینے کا پانی نہیں ہے۔ لیبارٹری نہیں ہے لیکن جناب والا! ایک سکول وہی بن رہا ہے اور اس کو نام دے دیا گیا ہے گرائمر سکول۔ جناب والا! اس پر کروڑوں روپے خرچ ہو رہے ہیں کروڑوں روپے۔ ہم حیران ہیں کہ یہ کروڑوں روپے گرائمر سکول کے لئے کہاں سے آگئے۔ اور یہی فنڈز جب ہم کہتے ہیں کہ اس سکول کو آپ دے دیں جس میں تمام لوگوں کے، عوام کے بچے جس میں یعنی ہوتی صاحب کے بچے یہ بھی اس میں آجائیں گے کیونکہ وہ بھی اتنے ہیں کہ وہ یہاں جی آئی کے میں داخلہ نہیں لے سکتے۔ لیکن جناب والا! کروڑوں روپے اس پر خرچہ اور عوام کے سکول ابھی بند ہو رہے ہیں یہ تمام ملک میں ہو رہا ہے ہم یہ واضح کرنا چاہتے ہیں اس پارلیمنٹ کے ذریعے، ہم عوام میں جائیں گے اور عوام میں یہ مطالبہ بھی کریں گے یہ تمام سکول، لوگ ناراض ہو یا نہ ہوں، ہم ان سکولوں کو پھر پبلک سکول بنائیں گے۔ اور عوام کے مجموعی لیول پر انہیں لائیں گے۔

یہاں ابھی جناب والا! ایک نئی پالیسی بنائی ہے خارج میں ٹیکنالوجی کے لئے کہ ایک سٹوڈنٹ باہر کے لئے جناب والا! جب وہ جائے تو کیسا کوالیفائیڈ ہو۔ کوالیفیکیشن تین فرسٹ ڈویژن ہوں - میرے خیال میں ہم میں سے فرسٹ ڈویژن یہاں کون تین رکھتا ہو گا۔

جناب چیئرمین : میری تو ہیں -

جناب عبدالرحیم خان مندوخیل : آپ کے ہیں تو آپ چیئرمین بن گئے ہیں - جناب والا! تین فرسٹ ڈویژن بنا کر پھر آپ سائنس اینڈ ٹیکنالوجی

کرتے ہیں کہ efficiency کا یہ بہانہ نہ بنائیں - یہ عوام کو تقسیم کرنے کا ، ملک کو تقسیم کرنے کے لئے ہے اور پھر کیا ہو گا جناب والا! پھر وہ جو کہتے ہیں کہ جی حالات ایسے ہو گئے - لوگ جو ہیں انقلاب لا رہے ہیں انقلاب کیوں نہیں آئیں گے - کیوں نہیں آئیں گے وہ والٹئیر کے اور دوسرا فرانس میں جو بادشاہ سلامت تھے بالکل ان کو معلوم نہیں تھا Queen کو معلوم نہیں تھا اور وہ کچھ لوگ جب نکل آئے تو Queen نے کہا کہ یہ کیا کر رہے ہیں تو وزیر اعظم نے کہا کہ یہ تو روٹی مانگ رہے ہیں - انہوں نے کہا کہ روٹی کی کیا ضرورت ہے اگر روٹی نہیں ہے تو بسکٹ کھائیں - تو جناب والا! پھر تو ہو گا - پھر تو crisis ہو گا - ایک ایسی crisis ابھی بھی ہے - ابھی بھی وہ crisis ہیں ابھی بھی میں آپ سے کہتا ہوں کہ ان ہاؤسز سے آپ نکل کر عوام کے گھروں میں جائیں - یہاں ہمارے ممبران صاحبان بڑے خوش ہوتے ہیں - ہم ہمیشہ کہتے ہیں وی آئی پی لاؤنج میں یہ کمی ہے ، وی آئی پی لاؤنج میں وہ کمی ہے - بس اس پر ہمارا تمام پارلیمنٹ لگا رہتا ہے- لیکن جناب والا! آپ ذرا ٹرین میں تو جائیں - آپ ذرا پیرودہائی کے اڈے پر تو جائیں - پھر ہم کو پتہ لگے گا کہ ملک میں کیا ہے ، لوگوں میں کیا ہے - بہر صورت جناب والا تعلیم کے حوالے سے ، اسی طرح عورتوں کے حقوق کے بارے میں ہمارے صدر صاحب کی تقریر جو ہے وہ بالکل ایسی ہے جو انہوں نے کی ہم جو کہتے ہیں کہ وہ خط کوئی لکھ رہا تھا اپنے قری کو کہ بابا جان بھی مر گئے اور امی جان بھی کنویں میں گر گئی اور یہ بھی ہوا اور وہ بھی ہوا باقی خیریت ہے - تعلیمی پالیسی یہ ہے جناب والا! قوموں کی پالیسی یہ ہے - جمہوریت کی یہ پالیسی ہے ، ہمارا اور معیشت کا جناب والا! حال آپ کے سامنے ہے -

جناب صدر محترم وانج کہتے ہیں بڑا وانج انہوں نے کہا ہے جناب والا! کہ مہنگائی ہے - انہوں نے کہا ہے کہ بے روزگاری ہے - انہوں نے کہا ہے کہ balance of payment جو ہے اس میں فرق ہے - یعنی ہر بات علیحدہ علیحدہ معلوم ہے جناب والا! قرض جو ہے ہم سب جانتے ہیں کہ نو سو ارب روپے ہے - اب یہ حالت ہے اور پھر سود جو ہے وہ سب آپ کے سامنے ہے کہ سود مسلسل پہلے وہ سات چھ فیصد والا سود ہوتا تھا اب بنک جو دے رہے ہیں ایسی گورنمنٹ کو وہ جناب والا! چودہ پندرہ اور سولہ فیصد ہے - اور یہ ہماری معاشی پوزیشن ہے - ہمارے وزیر خزانہ صاحب بڑے جرات مند میں اور بولڈ اس کو کہتے ہیں جناب والا! بالکل کچھ نہیں ہے پھر بھی چلا رہے ہیں - کچھ نہیں ہے - بالکل وہ خود مانتے ہیں -

جناب چیئرمین : اب ذرا وائینڈ اپ کریں -

جناب عبدالرحیم خان مندوخیل: جناب والا! نوٹ چھاپیں- آپ کی جیب میں

جو نوٹ ہیں۔ آپ کی جو قوت خرید ہے اس کو اس نوٹ سے ماریں۔ اگر آپ دو گز کپڑا خرید سکتے تھے تو ابھی نئے نوٹ انہوں نے چھاپے ہیں ڈیڑھ گز کپڑا خریدیں گے۔ یہ مسلسل عمل ہے جیسا کہ لگی صاحب نے فرمایا ہے 89 ارب روپے، ہمارا خسارہ تھا پچھلے بجٹ میں ابھی ایک سو بیس ارب انہوں نے بنا دیا۔ اس کے بارے میں جناب والا! پرائیویٹائزیشن ایک سو بیس یونٹ یا کتنے، اس میں سے چالیس پچاس وہ جناب والا! دس ارب روپے میں دے دیئے۔ یہاں ایک ٹکڑا زمین کا تھا۔ آپ کو یاد ہے ایک کنال 23 لاکھ روپے میں یعنی اگر زمین کی قیمت آپ لیتے ہیں چالیس یونٹ انڈسٹریل یعنی دس ارب روپے یعنی دس ارب روپے ہو گئی۔ وزیر خزانہ صاحب نے اس دن خود فرمایا تھا کہ جناب ہم نے دس ارب روپے کا اپنا لیا ہے پیسہ لیکن بیس ارب روپے کا ہم نے ان کو فروخت کیا ہے۔ یہ ہے ہماری حالت اور پھر پرائیویٹائزیشن پر زور لگا رہے ہیں۔ اور سب لوگ یہ کہتے ہیں انڈسٹری ہوگی۔ بابا یہ تو پبلک پراپرٹی تھی، ان کو اپنی جگہ پر رکھیں۔ اس میں اصلاحات کریں۔ اس میں کوئی طریقہ نکالیں اور پرائیویٹ کو بھی موقع دیں۔ آپ نے جو کچھ تھے اپنے گھر میں جو زیور ہوتے ہیں آپ نے وہ فروخت کر دیا۔ اب اس کے بعد جو ہے اس کی employment بھی ختم ہوگی۔ اور جیسے کہ یہاں ہمارے سب نمائندوں نے کہا کہ پرائیویٹائزیشن بالکل اچھی بات ہے۔ لیکن وہ بہت بگ بحث بن گیا کہ مہنگائی ہے اور فلاں ہے ریٹس بڑھ گئے جناب والا! ہم یہ request کر رہے تھے کہ پرائیویٹائزیشن سے ایسا ہو گا۔ لیکن آپ کہتے تھے کہ پرائیویٹائزیشن سے ہمارے معاشی مسائل حل ہوں گے۔ اور ابھی ہماری مہنگائی بڑھ رہی ہے۔ بے روزگاری بڑھ رہی ہے۔ جناب والا! تمام یعنی deficit financing کر رہے ہیں اور ہم خوش ہیں۔ ہمارے صدر صاحب بھی خوش ہیں۔ ہمارے وزیراعظم صاحب بھی خوش ہیں۔ اور وزیر خزانہ صاحب تو صبح سے لے کر شام تک لگے ہوتے ہیں کہ کسی طرح وہ پورا کریں یہ ان کا مسئلہ ہے۔

جناب والا! یہ معاشی حالت جو ہے تو یہ سب انقلابی تبدیلیاں تھیں۔ ٹھیک ہے انقلاب کے معنی وہ نہیں ہوتے۔ ضروری نہیں کہ اس میں تلوار چلے اور ڈنڈا چلے، پھر اس کی یہاں speed سے واقعی اگر اس ملک کی عوام کے لئے کام کرنا چاہتے ہیں۔ جناب والا! اگر عوام کے لئے کام کرنا چاہتے ہیں۔ اس ملک کے لئے کرنا چاہتے ہیں تو اس ملک کی ترقی کے لئے جناب والا! پھر انقلابی spirit سے عوام کو تعلیم بھی دینا ہو گا۔ عوام کو روزگار بھی دینا ہو گا۔ انڈسٹری اور دوسرے بھی۔

جناب والا! بعد میں خارجہ پالیسی ملکی صورت حال۔ بڑے خوش ہیں جناب صدر صاحب نے خود کہا ہے کہ نئے ورلڈ آرڈر کی نوید ہمیں ملی۔ ہم نے دنیا میں مظلوم قوموں کے نمائندوں

کے خلاف مسلسل جنگ لڑی- امریکہ کی مدد کے لئے، یورپ کی مدد کے لئے- ہم نے کہا کہ ہم سوویت یونین کو نہیں چھوڑیں گے- بعد میں وہ کہتے ہیں کہ سرد جنگ ختم ہوگئی- شکر ہوا اگر سرد جنگ ختم ہوئی ہے- اور کہتے ہیں جناب والا! ایک نوید ہے نیو ورلڈ آرڈر کی لیکن صدر صاحب خود ساتھ کہتے ہیں but نیو ورلڈ آرڈر وہ نہیں ہے- جناب والا! سرد جنگ کے معنی یہ تھے ظالم مظلوم کا ایک دوسرے سے آمنا سامنا تھا- اب جو ہے مظلوم کو آپ نے مار دیا- آپ نے مظلوم کو قتل کر دیا- اب جو ہے کہاں سرد جنگ ہو گا- اب تو قبرستان ایک میری زبان پر لفظ ہے، پتہ نہیں پارلیمنٹ کے لئے صحیح ہوگا یا نہیں یعنی ***** کی حکومت- خبردار ہر ایک اپنی جگہ پر رہے- عراق ہو ادھر بیٹھے- لیکن جناب والا! ہم یہ الفاظ ضرور استعمال کریں گے کہ نیو ورلڈ آرڈر کے معنی ہیں یورپ کا unopposed اقتدار- عوام کی طرف آمریت- عوام کی طرف سے مظلوموں کی طرف سے جواب کی طاقت کسی کے پاس نہیں ہے- یہ ہے اور اسی لئے یہاں جو ہم کہتے ہیں کہ برابری کی بنیاد پر انصاف کا ماحول- بابا ہم نے جب برابری اور انصاف کے لئے اپنے ہاتھ توڑ دیئے- اب جو ہے یہ توقع کرنا جناب والا! یہ ہماری خارجہ پالیسی کی مجموعی یعنی اب ہم دنیا کی ایسی حالت میں آ گئے کہ اب ہمارے لئے یہ مشکلات ہیں کہ امریکہ کو یورپ والے جو بھی ہم سے منوانا چاہیں خارجہ پالیسی میں معاشی پالیسیوں میں یعنی، سیاسی، سماجی، معاشی وہ ہر چیز جو ان کی مرضی ہوگی جناب والا! ہمیں ماننا پڑے گا تو اس لئے اگر ہمیں اپنے آپ پر خود انحصاری یعنی اپنا انحصار خود کرنا، ہمیں اپنے عوام پر اعتماد کرنا ہو گا- ہمیں اپنے ملک کے اتحاد اور پورے ملک کی باہمی وحدت اور محبت کی بنیاد رکھنا ہوگی- ورنہ دوسرے سب ہمارے خلاف ہوجائیں گے اور پھر افغانستان کے بارے میں، افغانستان کا مسئلہ جو ہے ابھی عباس شاہ صاحب نے بہت خوبصورت فرمایا کہ وہاں ان کے ساتھ ہمارے مذہبی تعلقات، علاقائی تعلقات کے علاوہ اور کچھ نہیں- لیکن اگر میں ان سے خود پوچھوں گا- خود احمدزئی ہیں اور افغانستان کے ڈاکٹر نجیب اللہ احمدزئی ہیں- یہ ان کا رشتہ ہے- یہاں لوگ ہمیں آ کے کہتے ہیں کہ نہیں آپ جو ہیں یہاں سے بوسنیا کے ..... جناب والا! ہم حمایت کرتے ہیں- ہم دنیا میں تمام مظلوموں کی پہلے، مسلمانوں کی بعد میں، دنیا کے دوسرے لوگوں کی اور اس کے ساتھ دنیا کے افریقہ، ایشیا، لاطینی امریکہ جو غریب قومیں ہیں- جو غلام رہے ہیں ہم ان کی حمایت کرتے ہیں- لیکن سب سے پہلے جو ہمارے سب سے قریب ہے اس کی بات ہم کریں اور لوگ ہمیں ان سے منع کرتے ہیں-

جناب چیئرمین: کرو کرو، کون منع کرتا ہے- کوئی منع نہیں کرتا-

جناب عبدالرحیم خان مندوخیل: ہاں جناب والا! منع کرتے ہیں- ہاں بات یہ ہے انہوں نے اسی بات پر تو لڑائی کروائی-

[*****بحکم چیئرمین کارروائی حزف کی گئی]

جناب چیئرمین: دس سال آپ نے ان کے ساتھ جنگ لڑی۔ منع کون کرتا ہے۔

جناب عبدالرحیم خان مندوخیل : جناب لڑائی کہاں ہم نے لڑی ہے۔ لڑائی تو ہمارے خلاف لڑی گئی جناب والا! آپ دیکھیں انہوں نے فرمایا یہ ان کے الفاظ ہیں۔ بڑے خوبصورت الفاظ ہیں۔ پاکستان کے مغرب میں افغان ملت ایک عظیم جہاد کی عظیم کامیابی کے بعد...... اس کے پیدا کردہ مسائل سے نمٹنے میں مصروف ہے۔ ہم نے پہلے یہ کہا تھا کہ یہ جہاد نہیں ہے۔ یہ فساد ہے یہ افغانستان میں مداخلت ہے۔ یہ امریکہ کے مفادات کی بات ہو رہی ہے۔ یہ یورپ کے مفادات کی بات ہو رہی ہے۔ اور آج جو ہے جناب والا! آپ کے سامنے ہیں اگر میں یہ الفاظ اس طرح بناؤں کہ اصل حقیقت یہ ہے کہ صدر صاحب کو یہ کہنا چاہیئے تھا بلکہ اندر اندر ان کو خود یہ انشاء اللہ تسلیم کریں گے کہ پاکستان کے مغرب میں افغان ملت کے ایک عظیم فساد کی عظیم کامیابی کے بعد اس کے پیدا کردہ مسائل سے نمٹنے میں مصروف ہے۔ اور وہ کہتے ہیں کہ آخری مرحلہ بھی بڑی خوش اسلوبی سے طے ہو گا۔ یہ کیا خوش اسلوبی ہے جناب والا! جو آپ کو کابل کے حالات معلوم ہیں۔ اب کابل کے ایک ایک کوچے میں ابھی لڑائی ہے اور یہ ابھی تک کابل میں ہے۔ جناب والا! تو ابھی یہ خوش اسلوبی کیا ہے۔ ابھی یہ self destruction کی لڑائی وہ لڑ رہے ہیں۔ اور یہاں سے ابھی میں یہ کہوں گا سخت الفاظ میں کہوں گا ***** گل حمید وہاں گیا اس نے افغانستان کا خون بہایا ہے۔ افغانستان کا ناموس ******

جناب والا! افغانستان میں جو کچھ ہو رہا تھا یہ پروگرام تھا۔ یہ مقاصد تھے، یہ عمل تھے اور اب جو ہے جناب والا! یہ حالت ہے اس کے بعد کابل کے بعد جلال آباد کی لڑائی ہوگی، قندھار کی ہوگی، ہرات کی ہوگی، بلخ کی ہوگی، یہ یعنی لامتناہی سلسلہ اس نے شروع کیا ہے۔ فارن کی سعودی کے ***** الفیصل نے۔

یہ سب یہاں آتے تھے جناب والا! فارن والے، ہم ان کو کہتے ہیں یہاں خارجہ پالیسی کے ہمارے خارجہ وزیر صاحب بھی یہاں بیٹھے ہوئے ہیں۔ ہم درخواست کرتے ہیں کہ فارن پالیسی

[****** بحکم جناب چیئرمین لفظ حزف کیا گیا]

کے بارے میں آپ مہربانی کریں یہ non-interference پر عمل کریں۔ فارنرز کو مداخلت سے روکیں۔ سعودی عرب کو آپ ابھی تک نہیں سن رہے تھے، آپ جیسے کہ اپنے چیمبر میں بیٹھے تھے۔ تو جناب والا! یہ سب آرہے تھے، یہ سعودی والے، یہ فارن والے اور یہاں سے گل حمید صاحب جناب مداخلت مداخلت - اب کیا حالت ہے ہم یہ کہتے ہیں افغانستان کے مسئلے کا حل اب یہ ہے۔ وہ کہتے ہیں۔

ہوئے تم دوست جس کے دشمناس کا آسمان کیوں ہو۔

یہ جناب والا! یہ قاضی صاحب بھی لیکن وہ ہمارے پولیٹیکل پارٹی کے لیڈر ہیں۔ ادھر بھی بیٹھے ہوئے ہیں۔ پولیٹیکل پارٹی کے لیڈر بھی ہیں۔ اب جو کارنامے کر رہے ہیں۔ ابھی آپ نے پچھلے دنوں کہا کہ قاضی صاحب کی چھٹی کی درخواست ہے۔

(مداخلت)

تو جناب والا! اچھا کیا آپ نے چھیڑ دیا۔ تو جناب والا! وہ چھٹی وہ سینٹ سے لے گئے۔ کہاں یعنی وہ لڑائی جاری رکھنے کے لئے۔ بہرصورت جناب والا! افغانستان کے بارے میں ہم یہ request کریں گے اپنے ملک کی حکومت سے آپ مہربانی کریں افغانستان میں مداخلت بند کریں۔ فارنرز کو مداخلت سے منع کریں۔ عربوں کو مداخلت کرنے سے منع کریں۔ اور آپ نے یہاں لکھا ہے صدر مملکت نے افغانستان کے دوست، یہ میں تکرار کروں گا کہ "ہوئے تم دوست جس کے دشمن ان کا آسمان کیوں ہو" پھر تو آسمان کی دشمنی کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

جناب چیئرمین : شکریہ۔

جناب عبدالرحیم خان مندوخیل : تو اس لئے آپ یہ مداخلت بند کریں۔ واحد حل یہ ہے افغانستان کے مسئلہ کا کہ افغانستان کا اپنا جرگہ ہو، اس کے بارے میں بھی یہاں جو کہتے ہیں معذرت خواہانہ اگر ہم نے پشتو کا لفظ استعمال کیا۔ جرگہ خبردار تم کافر ہو

گئے، تم پاکستان سے بھی نکل گئے، اسلام سے بھی نکل گئے اور شوریٰ حل و عقد اور ناں ہم "ح" پڑھ سکتے ہیں اور نہ "ع" پڑھ سکتے ہیں نہ "ق" پڑھ سکتے ہیں لیکن اگر ہم کہیں جرگہ تو کہتے ہیں کہ نہیں جی اسلام سے خارج ہو گئے اور حل و عقد بابا مہربانی کریں۔ ہم پشتونوں کا وطن ہے۔ تمام ملک ہمارا پڑوسی ہے اور ہمارا بہت قریب پڑوسی ہے۔ ہمارے رشتے ہیں۔ آپ مہربانی کریں ان کی بے عزتی نہ کریں اور وہاں ان کو اپنے مسئلے حل کرنے کا موقع دیں تا کہ وہ اپنا جرگہ بلائیں اور اپنے فیصلے کریں اور اپنا ایکmechanism بلکہ میں یہ کہوں گا کہ اس نکات کے لحاظ سے کہ سب پہلے وہ امن قائم کریں، مجموعی طور پرmechanism بنائیں، عبوری اور پھر مستقبل کے لئے۔ ابھی ہم نے یہ بھی سنا ہے کہ ایسے انتخابات کی تیاری ہو رہی ہے، ایسے فارمولے دے رہے ہیں، انتخابات کون کرا سکے گا، وہاں کون جا سکتا ہے؟

Mr. Chairman: Thank you.

جناب عبدالرحیم خان مندوخیل : جناب والا! خیر آپ نے تو زور سے تقریباً یہ کوشش کی ہے کہ اس کو ختم کریں۔

جناب چیئرمین : لیکن آپ کی اس عمدہ تقریر اور اردو سننے کے بعد میرا خیال ہے ہم سب کا دل چاہے گا کہ ژوب کا وہ سکول دیکھیں جہاں پر آپ نے تعلیم حاصل کی۔

جناب عبدالرحیم خان مندوخیل: بڑی مہربانی مگر اس کو بند نہ کرنے دیں۔ جناب تمام ملک کے سکولوں کو بند نہ ہونے دیں۔

جناب چیئرمین : اس سکول کو تو واقعیencourage کرنا چاہیئے کہ اتنی عمدہ اردو آپ بولتے ہیں اور "ح" بھی بول سکتے ہیں۔ "ع" بھی بول سکتے ہیں اور "ق" بھی بول سکتے ہیں یہ تو کمال کرتے ہیں۔

جناب عبدالرحیم خان مندوخیل : جناب بڑا مشکل پڑتا ہے۔ بہرصورت جناب والا! یہ ہمارے صدر صاحب محترم کی تقریر جو کچھ ان کی خواہشات ہیں، ان کے حوالے سے تو ہم متفق ہیں کہ خودانحصاری ہو لیکن جو عمل ہے، جو پالیسیاں ہیں وہ خودانحصاری کے خلاف ہیں، اور ہمارے لئے رضاکارانہ وفاق اور ہمارے لئے جمہوریت اور ہمارے لئے تمام عوام کا اقتدار اور معاشی ترقی اور

افغانستان میں مکمل امن و امان یہ دوسری باتیں جو ہیں جناب والا! یہ بالکل ایسی ہیں، صحیح نہیں ہیں، بڑی مہربانی۔

جناب چیئرمین: شکریہ اچھا جی، اب آصف فصیح الدین وردگ صاحب، غیر حاضر ہیں، فصیح اقبال صاحب کا نمبر تھا وہ بھی چلے گئے ہیں، اس کے بعد خواجہ آصف صاحب۔

خواجہ محمد آصف : جناب صبح تقریر کروں گا۔

جناب چیئرمین : ٹھیک ہے صبح کریں گے، جی فضل آغا صاحب۔

انجینئر سید محمد فضل آغا : بسم اللہالرحمٰن الرحیم -

جناب چیئرمین : سنا ہے آج تین بجے تک چلے گا۔ نماز کتنے بجے ہے۔ ڈیڑھ بجے، دو بجے تک چلاتے ہیں، جی کیوں کہ کل اس کوwind upکرنا ہے۔ اسلئے کوشش ہے کہ جتنے ہو جائیں تو پھر کل وزیر صاحب بھی کچھ وقت لیں گے۔ جی جناب فضل آغا صاحب۔

انجنیئر سید محمد فضل آغا : شکریہ جناب چیئرمین! ابھی ہاؤس میں صرف آرڈر ہو تو جناب پھر شروع کریں سب افراتفری چل رہی ہے کیا بولیں؟

جناب چیئرمین : نہیں نہیں بس بیٹھ جائیں گے ابھی۔

انجینیئر سید محمد فضل آغا : اچھا جی۔ میں جناب چیئرمین آپ کا مشکور ہوں کہ کچھ لوگ غیر حاضر ہونے کی وجہ سے آپ نے مجھے وقت دیا تو اس سلسلہ میں کچھ عرض کروں گا۔ جناب آئین کی رو کے مطابق اور اس دائرہ کار میں جس طرح صدر صاحب کی تقریر تیار کی جاتی ہے اور صدر صاحب پھر پارلیمنٹ سے خطاب کرتے ہیں، گذشتہ سال 22 دسمبر کو اسی دائرہ کار میں رہتے ہوئے صدر صاحب نے پارلیمنٹ سے خطاب کیا ہے اور صدر صاحب کی تقریر میں سمجھتا ہوں اصل میں حکومت کی گزشتہ سال کی کارکردگی پر ایک نظر ڈالنا ہوتا ہے اور آئندہ سال کے لئے کچھdirectionsدینا ہوتی ہیں کہ گورنمنٹ کو کیا کچھ کرنا ہوتا ہے اور کن کو فیلڈ میں کیا کیا کمی اور خامی رہ گئی ہے۔ تو اس تقریر کے مطالعہ سے اور ان کو سننے کے بعد یہ سمجھ میں بات آتی ہے کہ صدر صاحب کی اپنی ایک شخصیت کو اور ان کی فراست کو اور ان کی دانست

کو اور معاملہ فہمی کو سامنے رکھتے ہوئے یہ تقریر ہم سب کے لئے مشعل راہ ہے۔ اوراس پر اگر صحیح معنوں میں عمل کیا جائے تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ اس قوم کو ہمtime spanکے ساتھ اور وقت کے گزرنے کے ساتھ اپنے اصلی مقام پر جو قوم کی توقعات ہیں ، اس پر نہ لا سکیں۔ صدر صاحب نے بجا طور پر اپنی تقریر میں حکومت کی کارکردگی کا جائزہ لیا ہے اور جہاں انہوں نے حکومت کے بہت سے احکامات کو سراہا ہے وہاں کچھ ایسےareasبھی ہیں جہاں پر کچھ ابھی مزید کام کرنے کی ضرورت ہے اور کچھdeficienciesہیں میں سمجھتا ہوں کہ اگر پوری تقریر کا جائزہ لیا جائے اور صحیح معنوں میں اس پر عمل کیا جائے۔ تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ ترقی کے راستے پر گامزن نہ ہوں اور اس ملک اور اس عوام کو آگے نہ لے جا سکیں۔

صدر صاحب نے اپنی تقریر میں بہت سےareas کوcover کیا ہے۔ سب سے پہلے انہوں نے پارلیمنٹ، پارلیمنٹ کے اندر ارکان اور ان کے کردار اور طریقہ الیکشن کی طرف اشارہ کیا ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ بہت اہم اور ضروری نکات تھے جن پر ان کو صحیح معنوں میں اس طرف اشارہ کرنا چاہیئے تھا۔

صدر صاحب نے اپنی تقریر میں فرمایا ہے کہ سب سے پہلے تو یہ کہ پارلیمنٹ کے لئے جن ارکان کا انتخاب ہوتا ہے، ان ارکان کے لئے کیونکہ آئین میں ایک ان کے کرداز کے لئے، تعلیمی قابلیت کے لئے کہ کون کون سے ارکان آئین کے تحت پارلیمنٹ کے الیکشن میں آنے کے لئے اہل ہیں، لیکن اس پر صحیح معنوں میں آج تک عمل نہیں ہوا ہے انہوں نے اس بات پر بڑا زور دیا ہے کہ پارلیمنٹ میں جو ارکان آتے ہیں اور جن ارکان کو بھیجا جاتا ہے۔ یہ عام ووٹرز کو بھی چاہیئے جناب میری گزارش ہے شاہ صاحب سے اور دوسرے ارکان سے بھی کہ جب ان کی باری ہوتی ہے تو ہم بڑی توجہ سے سنتے ہیں جب ہماری باری آتی ہے تو یہ ادھر ادھر گھومتے ہیں۔

جناب چیئرمین : شاہ صاحب۔ مہربانی کر کے اگر ان کو تقریر کرنے دیں۔

سید عباس شاہ : جناب معافی چاہتا ہوں۔

انجینئر سید محمد فضل آغا : جناب گزارش یہ کہ انہوں نے، جو ہم ایوانوں کے اندر آتے ہیں، نمائندوں کے کردار کی بات کی اور سب سے اہم اس ملک اور قوم کو اگر ہم کچھ واقعی دینا چاہتے ہیں تو سب سے اہم بات یہی ہے کہ ہم اپنی اصلاح کریں۔ اور اپنے

گریبانوں میں جھانکیں اور دیکھیں کہ ہم کس کردار کے مالک کے لوگوں کو پارلیمنٹ میں بھیجتے ہیں اور یہ صرف ہمارا ہی امیدواروں کا فرض نہیں ہے بلکہ عام ووٹر کا بھی یہ فرض ہے۔ اور پارٹی کے لیڈر صاحبان کا بھی یہ فرض ہے کہ وہ پارٹی کے ٹکٹ دیتے ہوئے جس پارٹی سے بھی جس کا تعلق ہے یہ دیکھیں کہ کس شخص کو وہ nominate کر رہے ہیں ان کی گزشتہ ہسٹری کیا ہے ؟ ان کی فہم و فراست کیا ہے ؟ وہ پارلیمنٹ میں جا کر عوام اور ملک اور ان کے فرائض ہیں ان کو کس طرح بہتر طریقہ سے سمجھ سکتے ہیں ؟ ان سے بہتر طریقہ سے بری الذمہ ہو سکتے ہیں ؟ یا کہ یہ پارلیمنٹ میں آتے ہیں اور VIP قرار دیتے ہیں اس کے بعد قومی معاملات کے سمجھنے سے ہم قاصر ہیں اور میں سمجھتا ہوں یہی ایک وجہ ہے کہ ابھی تک اس طرف توجہ نہیں دی گئی اور یہ حکومت اب تک جیسے کہا جاتا ہے کہ بیوروکریسی کے ذریعہ چل رہی ہے اور بیوروکریٹ اس کو چلا رہے ہیں - تو اگر صحیح معنوں میں گریبانوں میں جھانکا جائے تو ہماری اپنی کمی ہے ہماری اپنی خامی ہے ہمیں پارلیمنٹ میں اس قسم کے ارکان کو بھیجنا چاہیئے جو selfless ہوں جو ملک اور قوم اور عوام کی بقاء کے لئے اور ان کی بہتری اور بہبودی کے لئے سوچتا رہے اور اگر ہم اپنی build up کرتے رہیں قوم اور ملک کو بھول جائیں تو پھر لازمی بات ہے کہ ہم بھی اور پارلیمنٹ بھی اور حکومت بھی بیوروکریسی کے مرہون منت رہیں گے اور ان کے دست نگر ہم رہیں گے اور جب تک ہم اپنی اصلاح نہیں کرتے ہیں مطلب یہ کہ کہ ہم قوم کو ایک اچھی پارلیمنٹ اور ایک باوقار مجلس شوریٰ کی موجودگی کے بغیر کچھ بھی نہیں رہ جاتی -

میں سمجھتا ہوں کہ یہ بہت اہم مسئلہ ہے صدر صاحب کی تقریر میں اس پر ہم سب کو پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں کو اور پوری قوم کو اس کا نوٹس لینا چاہیے اور آئندہ انتخابات میں اس بات پر خاص طور پر توجہ دینی چاہیے کہ پارلیمنٹ چاہے صوبائی اسمبلی ہو یا basic democracy ہو ڈسٹرکٹ کونسل ہو ، سینٹ یا نیشنل اسمبلی ہو ، اس میں با کردار اشخاص کو وہاں پر بھجوانا چاہئے -

دوسری طرف صدر صاحب نے اشارہ کیا ہے آئین میں ایک طریقہ کار موجود ہے پارلیمنٹ موجود ہے، پاکستان میں کسی بھی بات پر اختلافات رائے ہو سکتی ہے اسی کی وجہ سے یہاں اتنی پارٹیاں موجود ہیں لیکن اس کے لئے صوبائی لیول پر بھی اور فیڈرل گورنمنٹ کے لیول پر بھی آپ کے پاس ایوان موجود ہیں اور جو بھی معاملات ہیں وہ آپ ایوانوں کے اندر بیٹھ کر طے کریں۔ بجائے اس کے کہ آئے دن لوگوں کو گلی کوچوں میں لائیں اور گلی کوچوں میں آنے کے سوائے اس کے ہم ملک کو توڑ پھوڑ تخریب، کشت و خون، افلاس دربدری اور کچھ بھی نہیں دے سکتے ہیں تو یہ بھی نکتہ بہت اہم ہے۔ اس کی طرف بھی توجہ دینی چاہیئے کہ اس پارلیمنٹ کو واقعی صحیح

معنوں میں پارلیمنٹ بنانا چاہیئے۔ قومی معاملات ان میں طے کئے جائیں۔ بجائے اس کے کہ ہم گلی اور کوچوں میں چلیں۔ گلی کوچوں میں ہم نے ہر الیکشن میں جانا ہوتا اور میرے خیال میں صرف وہی ایک وقت ہوتا ہے جب ہمیں گلی اور کوچوں میں نہ جانا چاہیئے۔ جب ہمیں عوام سے مینڈیٹ ملتا ہے اور ہم پارلیمنٹ تک آتے ہیں تو جتنے بھی difference of opinion ہیں۔ جو بھی اختلافات ہیں یہاں تک کہ آئین میں تو موجود ہے کہ آپ پریذیڈنٹ کو بھی impeach کر سکتے ہیں ، آپ پرائم منسٹر کے خلاف vote of no confidence لا سکتے ہیں - کوئی بھی معاملہ ایسا نہیں ہے جس سے آپ کو اختلاف رائے ہو اور وہ پارلیمنٹ کے فورم پر آئین کی رو سے آپ حل نہ کر سکیں - صدر صاحب نے میرے خیال میں اس طرف اشارہ کر کے بھی قوم کی صحیح معنوں میں رہنمائی کی ہے اب یہ کام ہمارا ہے ، پارلیمنٹ کا ہے ، اور عوام کا ہے کہ اس پر عمل کرے -

صدر صاحب نے ساتھ ساتھ یہ بھی کہا ہے کہ سیاست میں کسی معاملے کو ذاتی عناد کی بنا پہ ، ذاتی اختلاف کی بنا پہ نہیں ہونا چاہیے - اختلاف رائے جب بھی ہو وہ قومی مفاد میں ہو ، عوامی مفاد میں ہو بلکہ عوام کی بہتری کے لئے ہو - کبھی ذاتیات پہ نہیں اترنا چاہیے - میرے خیال میں ، ہمارے ملک میں یہ بھی بد قسمتی رہی ہے کہ جب بھی سیاسی اختلافات ہوتے ہیں لوگ اس لیول تک پرسنل ہو جاتے ہیں کہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ بیٹھنے کو بھی تیار نہیں ہوتے تو یہ بھی میں سمجھتا ہوں کہ ایک اور عندیہ دیا ہے یا کہ اشارہ دیا ہے ، یہ پوری قوم کی راہنمائی کی ہے اور پھر قوم کو اس راستے پہ چلنے کے لئے اچھی مثال قائم کرنے کے لئے انہوں نے کہا ہے - میں سمجھتا ہوں کہ یہ پارلیمنٹ اور عوام اور پارلیمنٹ کے اندر بیٹھ کر مسائل کا حل کرنا ہے ، عوامی کردار اور سیاست میں شائستگی یہ ایسے اقدام ہیں کہ اگر اس پر ہم عمل کریں تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ پاکستان میں جمہوریت جو ہے وہ صحیح معنوں میں پھل پھول نہ سکے - لیکن اگر ان باتوں پر ہم توجہ نہ دیں تو اس سے آگے چل کے ہم کچھ نہیں کر سکیں گے - یہ بنیادی عنصر ہے کسی ملک میں جمہوریت کو آگے لے جانے کے لئے - باقی اقتصادیات ، معاشیات اور دوسری باتیں اس کے بعد آتی ہیں - سب سے پہلے تو یہ بنیادی فاؤنڈیشن اور بنیادی شہ جو ہے آپ کے پارلیمنٹ اور عوامی کردار اور ان کی تعلیم و تربیت، ان کی معاملہ فہمی اور یہ میں سمجھتا ہوں کہ ان کی تقریر کا جو سب سے اہم حصہ ہے وہ یہی ہے اور یہ ہمارے لئے ایک مشعل راہ ہے اس پر مجھے ، پوری قوم سے بھی اور اپنے ساتھی ممبروں سے بھی اور جو سیاسی پارٹیوں کے سربراہان ہیں ان سے بھی گزارش کرنی ہے کہ خدا را اس پہ عمل کیا جائے اور یہی بنیادی عنصر ہے آگے جمہوریت کو لے جانے کے لئے -

اس کے بعد چل کے جی صدر صاحب نے ایوانوں میں آئین سازی کی بھی بات کی ہے۔ گو کہ صدر صاحب نے اس پہ اطمینان کا اظہار تو کیا ہے کہ پچھلے سال میں اچھی خاصی قانون سازی ہوئی ہے لیکن ساتھ ساتھ صدر صاحب نے یہ بھی کہا ہے کہ آرڈیننس کے ذریعے آئین سازی جو ہے وہ کوئی اچھا طریقہ کار نہیں جس کے لئے پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں میں بار بار دونوں طرف سے یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آرڈیننس کے ذریعے جو قانون سازی ہے وہ صحیح نہیں ہے - میں خود بھی اس نظریہ کا ہوں کہ جو بھی معاملات ہوں Ministries concerned کو بر وقت کام کرنا چاہیے ان کے معاملات کو بر وقت نپٹانا چاہیے اور جب بھی ضرورت ہو تو پارلیمنٹ کو in session رکھے سینٹ کو ، نیشنل اسمبلی کو in session رکھے - بجائے اس کے کہ ہم آرڈیننسز کے تھرو یہاں تبدیلی لائیں کیوں نہ ریگولرلی طریقے سے بل لائیں اور اگر کوئی آرڈیننس بوجہ کسی مجبوری آتا بھی ہے تو واقعی انہوں نے صحیح فرمایا ہے کہ بھئی آپ اس ڈیٹ کو ان دونوں ہاؤسز کو in session رکھیں جب تک یا تو قانون کا حصہ بنائیں یا پھر اس کو ریجیکٹ کریں لیکن جنرل بات کرتے ہوئے یہ ایک اچھا شگون نہیں ہے پچھلے دن ہمارے ایک معزز رکن نے کہا تھا کہ حکومت یہ بھی فیصلہ کر سکتی ہے کہ آرڈیننسز کے تھرو شریعت نافذ فرمائے - میں سمجھتا ہوں کہ یہ کبھی آرڈیننسز کے تھرو شریعت کا اس ملک میں لانا ، گو کہ پاکستان میں اسی نقطہ نگاہ سے بنا تھا کہ یہاں پہ اسلامی اقدار ہوں گے ، شرعی نظام ہو گا - ہمارے ملک کی یہی ضرورت بھی ہے ، میرا اپنا یقین بھی ہے اور اپنا ایمان بھی ہے کہ جب تک ہم شرعی نظام اور اسلامی نظام اس ملک میں نہیں لائیں گے اس وقت تک ہم صحیح معنوں میں ملک کو صحیح راستے پر نہیں ڈال سکتے لیکن شرعی نظام آرڈیننسز کے تھرو لانی اور نافذ کرنا یہ ممکن نہیں بلکہ پہلے جب یہ شریعت بل آیا تھا اور اس سینٹ میں اس کو پاس کیا تو انہی معزز اراکین کی پارٹیوں سے ہم نے آراء مانگی تھیں اسٹینڈنگ کمیٹی کے تھرو اور سلیکٹ کمیٹی کے تھرو - اس وقت انہوں نے اپنی رائے دینے سے بھی گریز کیا تھا ، ان کمیٹیز میں participate کرنے سے بھی گریز کیا تھا - تو میری گزارش یہ ہے کہ اگر آپ صحیح معنوں میں اسلامی نظام چاہتے ہیں تو اس میں چھاپ اور تھاپ ہیں چاہے وہ کسی بھی اسلامی پارٹی کی ہوں دور رکھیں ، بالائے طاق رکھیں بلکہ ایک اسلامی فلاحی مملکت کے لئے بیٹھ کر کام کریں اور وہ بھی پارلیمنٹ کا کام ہے ایک آئینی ترمیم ہے وہ two third majority کے بغیر ممکن نہیں ہے - اس میں اگر یہ مخلص ہیں اور اگر سارے لوگ لانا چاہتے ہیں تو حکومت سے تعاون کریں اور پارلیمنٹ میں ایک بل لائیں جس کو دونوں ہاؤسز سے two thirdmajority سے پاس کرنا ہو گا تب ہی اس ملک میں شرعی نظام آ سکتا ہے اور شرعی نظام لانے سے پہلے ہم میں سب کو پھر اپنے گریبانوں میں جھانکنا ہو گا اس لئے کہ شرعی نظام خود نہیں چل سکیں گے، نظام کوئی بھی ہو ، ہمارے ہاں کچھ لوگ کہتے ہیں کہ جی یہ ملک میں جو ہے کیا کہتے ہیں کہ سسٹم صحیح نہیں ہے - میرے خیال میں ہر سسٹم ، ہر سسٹم ایک اچھا سسٹم

ہے اگر اس کو implement کیا جائے - سسٹم کی بجائے کہنا یہ چاہیے کہ ہم اچھے لوگ نہیں ہیں اس لئے کہ ہم کسی سسٹم کو چلنے نہیں دیتے - ہم میں سے کوئی جو بھی آدمی صادق تیار ہوتا ہے چاہے وہ بیوروکریسی سے تعلق رکھتا ہے جب تک ہم من حیث القوم اپنا کردار improve اور values change نہیں کریں گے - اپنی values change نہیں کریں گے کسی سسٹم کو ہم چلنے نہیں دیں گے تو یہ کہنا کہ جی یہ سسٹم لایا جائے وہ سسٹم لایا جائے ، میں سمجھتا ہوں کہ کوئی سسٹم پھر چل نہیں سکے گا جب تک سسٹم چلانے کے لئے ہمارے پاس will نہ ہو - لہٰذا گزارش یہی ہے کہ پہلے ہماری اپنی کردار سازی ہونی چاہئے اور وہ individual حیثیت میں ہونی چاہئیے - گھر سے شروع ہو سکتی ہے ، اپنی سوسائٹی سے شروع ہو سکتی ہے اور اگر ہمیشہ ہم ایک دوسرے کو تنقید کا نشانہ بناتے رہیں گے تو 47 سال میں یہی ہوتا رہا ہے، اس کا نتیجہ آپ کے سامنے ہے کہ ہاں آج ہم اس سٹیج پہ ہیں کہ میں سمجھتا ہوں کہ ملک کرپشن اور نا اہلی کے بھینٹ چڑھا ہوا ہے- جتنی کرپشن اور جتنی نا اہلی اور in-efficiency آج کل کے ملک میں دیکھنے میں نظر آ رہی ہے تو میں سمجھتا ہوں کہ اس سے پہلے بیس سال پہلے اگر آپ جائیں تو اتنی in-efficiency اور کرپشن نہیں تھی - لہٰذا ہمیں ہر individual کو پاکستانی کی حیثیت میں اور خصوصاً وہ لوگ جو صاحب بر سر اقتدار ، جو صاحب اختیار ہیں ، ان کو اپنی اصلاح کرنی چاہئے اور کیریکٹر کو اسلامی معاشرے میں ڈھالنے کی ضرورت ہے اور پھر اسی طرح ہم پھر اسلام کو اور شریعت کو بھی اس ملک میں لا سکتے ہیں جب تک ہم اپنی اصلاح نہیں کریں گے تو یہ سب کچھ کہنے کی باتیں ہیں ، اخبار کی زینت بنتی رہیں گی ریڈیو اور ٹی وی پہ آتی رہیں گی لیکن عملاً کوئی کام ہونے کو نظر نہیں آتا ہے -

آگے چل کر سر پریذیڈنٹ صاحب نے معیشت کا، چونکہ وہ خود بھی ایکسپرٹ رہا ہے اور بہت اچھا انہوں نے جائزہ لیا ہے- ایک طرف تو انہوں نے حکومت کو جو اچھے اقدامات ہیں انہوں نے سراہا ہے کہ آپ کے جو سالانہ قومی آمدنی ہے وہ5.4 سے بڑھ کے6.4پر پہنچ گئی ہے اور آپ کی جو ایکسپورٹس ہے اس میں ساڑھے بارہ فیصد کا اضافہ ہوا ہے اور معیشت اس کے باوجود آپ کے سامنے ہے- جیسے ابھی عبدالرحیم مندوخیل صاحب نے فرمایا افغانستان کا اور افغانستان کے مہاجر آپ کے پاس موجود ہیں- 20 لاکھ اب بھی موجود ہیں- آپ کی معیشت پر اور اس کی تمام چیزوں پر ان کا بیس لاکھ، تیس لاکھ بندوں کا، 14 سال تک بوجھ رہا لیکن جیسے ہی روس افغانستان سے چلا گیا، جو بھی آپ کے ساتھ اس وار میں خود کو شریک کہلاتے تھے انہوں نے ہاتھ کھینچ لئے ہیں، Pressler's amendment کا سہارا لے کے امریکیوں نے آپ کے ڈیفنس ایڈ بھی سٹاپ کر دیئے ہیں- یورپین کمیونٹی اور یونائیٹڈ نیشنز اور ورلڈ بنک اور ایشین بنک کا جو attitude ہے وہ

بھی آپ کے سامنے ہے۔ لیکن اس کے باوجود میں سمجھتا ہوں کہ حکومت کی ہمت ہے جو دو سال تک اس طرح کمزور حالات میں بھی یہ معیشت میں اس کو چلاتے رہے ہیں اور indexes آپ کے سامنے ہیں لیکن صدر صاحب نے ایک واضح اشارہ جو کیا ہے، عام آدمی کی شاید زندگی کے لئے ان کو یہ تشویش ہے اور وہ تشویش بجا ہے یہ کہنا درست ہو گا کہ پاکستان میں اب بھی قیمتیں ہمارے آس پاس کے تمام ممالک سے بھی عام اشیائے زندگی کی جو قیمتیں ہیں وہ کم ہیں۔ لیکن پاکستان میں جو جس حساب سے ہماری salaries ہیں یا جس حساب سے ہم آگے بڑھ رہے ہیں اس کو مدنظر رکھتے ہوئے عام اشیاء کی چیزوں میں اضافہ ہوا ہے اس میں پریذیڈنٹ صاحب نے جو خای بتائی ہے صحیح price index collect نہ کرنے کی وجہ بتائی ہے وہ یہ ہے کہ ایک تو اشیائے ضرورت کی جو base ہے اس کو بڑھایا جائے، ابھی کم چیزوں کی قیمتیں معلوم کر کے ہم consumer price index fix کرتے ہیں اور دوسرا یہ ہے کہ اس کا جو ٹائم interval ہے کہ ہم عرصے کے بعد ایک مارکیٹ سروے کراتے ہیں اور house-hold سروے کراتے ہیں تو لہذا پریذیڈنٹ صاحب نے اس طرف اشارہ کیا ہے میں سمجھتا ہوں کہ پوری قوم کے لئے یہ بہت اہم ہے اور ministeries concerned کو اس کا خاصا نوٹس لینا چاہیئے کہ ایک تو consumer price index fix کرنے کے لئے اس کا ٹائم انٹرول، جو house-hold prices معلوم کرنے کے سروے کے لئے ہے، کم کرنا چاہیئے اور دوسرا وہ زندگی گھریلو ضرورت کی اشیاء کی جو چیزیں ہیں ان کا base broad کرنا چاہیے تا کہ صحیح معنوں میں عوام تک چیزیں، جو ہم جتنا حتیٰ الوسع گورنمنٹ کے بس میں ہے، اس پہ کنٹرول لگایا جا سکے اور قیمتیں کم ہوں اس لیے کہ ہمارے ملک کے زیادہ عوام جو ہیں غریب طبقے سے تعلق رکھتے ہیں۔

جہاں پریزیڈنٹ صاحب نے اور باتیں کی ہیں وہاں پہ نج کاری کی طرف بھی انہوں نے اشارہ کیا ہے اور پریزیڈنٹ صاحب کی تقریر سے بھی اور ویسے بھی ہم نے جہاں تک مارکیٹ میں یاconcerned لوگوں سے معلومات حاصل کی ہیں، نج کاری کا طریقہ کافی حد تک شفاف رہا ہےtransprent رہا ہے۔ اس میں اس قسم کی کوئی بات نہیں ہے اور میں ذاتی طور پہ سمجھتا ہوں کہ یہ ایک اچھا اقدام ہے ۔ اس لئے کہ State کی انڈسٹریز رن کرنے کی ذمہ داری نہیں ہے ۔ سٹیٹ کے لئے اور بہت ساری باتیں ہیں ، فارن پالیسی ہے ، انٹرنل پالیسی ہے ۔ اس قسم کے اور بھی بہت سارے سجیکٹس اور ڈویژنز اور منسٹریز ہیں ۔ کم از کم انڈسٹریز

کا جو سلسلہ ہے وہ اور اس قسم کے جو پیداوار کے سلسلے میں وہ ضرور پرائیویٹ سیکٹر میں جانی چاہیے اس لئے کہ پبلک سیکٹر کی ذمہ داری نہیں اور یہ عام فہم بات بھی ہے کہ ایک آدمی اگر اپنی دکان خود چلاتا ہے تو اس کی آمدنی کچھ اور ہوتی ہے لیکن اس کی بجائے آپ اس کو ملازمت میں رکھیں تو اس کی interest کچھ اور ہو جاتی ہے - اور ہم نے دیکھ بھی لیا ہے ابھی کچھ عرصہ پہلے روس ٹوٹا ہے جس کے لوگ بہت خوش باش تھے اور سمجھتے تھے کہ وہاں بہت بہتر حالات ہیں سب اچھا ہو رہا ہے لیکن اس کے ٹوٹنے کے بعد آپ نے دیکھ لیا ہے کہ دیوار برلن کس طرح ٹوٹی اور مغربی جرمنی پر کیا قیامت ٹوٹی ، مشرقی جرمنی میں اگر لوگ اچھے ہوتے تو ان کے جہاں تک مالی معیشت مغربی جرمنی کی اتنی خراب اور اتنا ان کا وہ رونا دھونا اور اس کے بعد باقی جو سٹیٹس ہیں آپ سب دیکھ رہے ہیں اس کا مطلب یہ کہ وہ سٹیٹ رن جو سسٹم ہے وہ total collapse ہے - وہ ایک بڑی جاگیرداری کا ایک نظام ہے جس کے لئے عام آدمی مل کر چند لوگوں کے لئے کماتے ہیں ان کو کھلاتے ہیں اور وہ ممکن نہیں ہے اور یہی حال پاکستان میں ہم نے دیکھا جب بھٹو صاحب کے زمانے میں یہ سب کچھ نیشنلائز ہوا تو پھر آپ نے دیکھا کہ وہ انڈسٹریز جو ٹیکس بھی دے رہی تھیں جو پروفٹ بھی دے رہی تھیں اور روزگار کا ذریعہ بھی بنی ہوئی تھیں یونٹس میں تبدیل ہو گئے ہمارے ہاں ایک اس وقت یونٹ بلوچستان میں ہے BTM کے نام سے بلوچستان ٹیکسٹائل کے نام سے کل میں نے معلوم کیا تھا کہ جب سے وہ بند ہوا ہے 56 کروڑ روپیہ مزدوروں کو تنخواہیں ادا ہوئی ہیں اور وہ مل بند پڑی ہوئی ہے یہ حال باقی یونٹس کا بھی تھا تو یہ ایک مکمل درد سر تھا- میں سمجھتا ہوں اس وقت ہو سکتا ہے اس میں کچھ خامیاں رہ گئی ہوں لیکن گورنمنٹ نے یہ ایک اچھا اقدام کیا ہے کہ اس مکمل درد سر سے جان چھڑایا ہے وہ جو خواہ مخواہ کی liability تھی اس سے جان چھڑا لی پرائیویٹ سیکٹر کی حوصلہ افزائی کی ہے-

ہم اگر پیچھے دیکھیں دس سال پہلے جہاں جہاں جن جن ملکوں میں پرائیویٹ سیکٹر میں انڈسٹریز وغیرہ کی حوصلہ افزائی نہیں ہوئی ان کی پوزیشن کچھ اور تھی وہ پاکستان آ کر مزدوری کر کے کما کر جاتے تھے لیکن 20 سال گزرنے کے بعد اگر نزدیک آپ دیکھیں ایسٹ میں دیکھیں چند ایک ممالک کو آپ دیکھیں کہ 20 سال میں وہ کہاں سے کہاں پہنچے ہیں- لیکن پاکستان میں بھی یہ رجحان جو موجودہ حکومت نے دیا ہے- یہ بہت بہترین ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ دو چار سال

میں اگر سوسائٹی نے مل کر مخلصانہ طور پر کام کیا تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ مفلسی کی دلدل سے ہم نہ نکل سکیں۔

صدر صاحب نے جہاں بچ کاری کی بات کی وہاں پر انہوں نے انفراسٹرکچر کی بھی بات کی ہے واقعی ہمارے ہاں انفراسٹرکچر کا کافی فقدان ہے انہوں نے صحیح معنوں میں منصوبہ بندی کے لئے کہا ہے۔ میں نے پہلے ہی جیسے عرض کر دیا تھا کہ ہمارے ہاں بروقت منصوبہ بندی نہیں ہوتی۔ عام طور پر دیکھا جائے تو آپ صوبائی حکومت میں جا کر دیکھ لیں تو جب مئی جون جولائی کے مہینے آتے ہیں تو وہ ایک دم گیئر لگا دیتے ہیں جی کہ فنڈز کو جون میں ختم کرنے ہوتے ہیں۔ بلکہ چاہیئے یہ ہوتا ہے کہ نئے مالی سال سے پہلے بلکہ بڑے پراجیکٹ میں تو سالوں پہلے پلاننگڈویژن کا کام ہے کہ وہ اپنی پلاننگ، اور منصوبہ بندی پہلے کرے اور اس لئے کہ منصوبہ بندی کے بغیر کوئی بھی کامad-hoc basis پر ہو گا اس کے نتائج اچھے نہیں آئیں گے۔ haste اور speed کا بڑا فرق انہوں نے واضح کیا ہے۔ ہمارے ہاں اب تک جو کام ہوتا رہا ہے وہ بغیر صحیح منصوبہ بندی کے ہوتا رہا ہے۔ جس کے نتائج اچھے نہیں نکلے یہ ہی حال ہماری توانائی اور مواصلات کا ہے۔ نقل و حمل کا ہے ہم توانائی میں تو اتنے پیچھے ہیں کہ آپ دیکھ رہے ہیں کہ ملک میں اسلام آباد جو ملک کا دارالحکومت ہے، وہاں بھی لوڈ شیڈنگ ہوتی ہے، لیکن آپ اگر اندرون ملک جائیں کوئی بھی صوبہ ہو۔ سال بھر وہاں پر لوڈ شیڈنگ رہتی ہے اور آپ کے ملک میں آدھا حصہ ایسا ہے کہ اس کی زراعت کا دارومدار یا تو وہ بارانی ہے یا پھر بجلی پرسہارا لیتا ہے۔ وہ ٹیوب ویل کے ذریعے پانی کو جمع کر کے زراعت کو چلاتے ہیں۔ لیکن یہاں ابھی تک بجلی پوری نہیں ہے۔ اس لئے صحیح معنوں میں منصوبے پاس نہیں ہوئے اور دوسری طرف سے آپ کو یہ مشکل ہے۔ نیوکلیئر انرجی۔ آپ کو انٹرنیشنل فورم پر force بھی کیا جا رہا ہے۔ وہ مختلف بہانے اور طریقے ڈھونڈ رہے ہیں۔ جب کہ ہماری اور آپ کی ضرورت یہ ہے کہ جب تک ہم نیوکلیئر انرجی کو اس طرح نہیں بڑھائیں گے کہ کم از کم ہم بجلی میں خود کفیل ہوں تو اس ملک کی ترقی بالکل ممکن نہیں ہے تو میری گزارش یہ ہے کہ کسی صورت میں بھی نیوکلیئر انرجی سے دستبردار نہیں ہونا چاہیئے اور اس پروگرام کو آگے چلانا چاہیئے اس لئے کہ ہمارے ہاں نیوکلئیر انرجی کے بغیر ممکن نہیں ہے کہ ہم پورے ملک کو بجلی مہیا کر سکیں جب کہ ہمارے ہاں بجلی کی اشد ضرورت ہے، یہاں 60 فیصد ایریا ایسا ہے جو چاروں صوبوں میں ریگستان کی شکل میں ہے

اسی طرح بارانی علاقے ہیں جہاں پر بجلی کی اشد ضرورت ہے۔ بجلی کے ذریعے پانی مہیا کیا جائے گا اور میں تو یہ کہوں گا کہ بلوچستان میں تو جو رہا سہا ہے لوگوں نے سب زراعت پر لگا دیا ہے۔ تھوڑا بہت اگر کسی طرف کام ہوا ہے تو زراعت ہے باقی ذرائع آمد و رفت نہ کہنے کے برابر ہیں اگر کوئی آدمی صحیح معنوں میں بلوچستان کو سروے کرے اس کو معلوم ہو گا۔ اس لئے کہ نیشنل ہائی وے والے جو کہتے ہیں وہ بھی ہوتی صاحب یہاں لفاظی سے کام لیتے ہیں وہاں پر کوئی کام نہیں ہوا ہے، کوئی نیٹ ورک نہیں ہے۔ جو نیشنل ہائے وے کے ذمے ہے انہوں نے بھی کچھ نہیں کیا، وہ ہمیں یہ گنوا تو دیتے ہیں کہ جی ہم 8 بلین خرچ کریں گے، 80 بلین خرچ کریں گے لیکن جب کریں گے آج کیا ہے 47ء سال میں کیا ہوا ہے اس فورم سے میں کہوں گا تا کہ یہ سن لیں فیڈرل میں بیٹھے ہوئے یہ لوگ سن لیں وہ ایک فیڈرل یونٹ ہے اس کو نظرانداز کرنا اچھا نہیں ہے so much so کہ آپ سنٹرل ایشیا کی طرف لچک پیدا کر رہے ہیں۔

ابھی تک مجھے سمجھ نہیں آتا کہ بلوچستان سے ایک روٹ انہوں نے افغانستان کی طرف تھرو کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس سے ایک تو وہاں کے لوگوں کے رابطوں میں اضافہ ہو گا دوسری بات یہ ہے کہ جب آپ سنٹرل ایشیا سے لنک کریں گے تو economic activity boost ہو گی وہاں کی پورے صوبے کے لوگ دربدر ہیں وہ غریب ہیں اور ان کی طرف توجہ کی ضرورت ہے اور خصوصاً واپڈا کی جو وہاں نیٹ ورک ہے وہاں پر لوگوں نے جو تھوڑے بہت پیسے تھے وہ ٹیوب ویلز میں لگائے اور آپ کو معلوم ہے کہ پورے ایشیا میں جو بہترین فروٹ ہے اور ہر قسم کا فروٹ جو ہے وہ بلوچستان میں ہوتا ہے لیکن بد قسمتی سے یہاں ہم اتنے دور بیٹھے ہیں جب بھی آپ کہتے ہیں کہ وہاں لوڈشیڈنگ ہے even واپڈا کے لوگ وہاں حصہ لیتے ہیں۔ ممبر جو ہے چیئرمین جو ہے، حالانکہ ایریا چیئرمین جو ہے وہ ہمیشہ کہتا ہے جی صحیح ہے۔ آج کل کے دنوں میں انہوں نے اعلان کیا ہوا ہے کہ پورے بلوچستان میں لوڈشیڈنگ ہے اور پاکستان میں لوڈشیڈنگ نہیں ہے اور وہاں پر پانی نہ ہونے کی وجہ سے ہم ایک فصل لیتے ہیں، لیکن گرمیوں میں جب عین فصل کے دن ہوتے ہیں تو واپڈا کی لوڈشیڈنگ voltage droppage اور اس کے بعد وولٹیج میں کمی واقع ہوتی ہے۔ وہاں کے لوگ ابھی تک زراعت سیکٹر میں جو واحد ایک سیکٹر ہے وہاں نہ انڈسٹری ہے نہ کوئی وسیع انڈسٹری ہے۔ لیبر کے لئے سوائے اس کے کہ وہ زراعت پر بھروسہ کرے لیکن زراعت سیکٹر واپڈا کے عدم

تعاون سے یا ان کی ناقص کارکردگی کی وجہ سے یا مکمل لیول پر بجلی کم ہونے کی وجہ سے وہ ابھی تک بربادی اور مفلسی سے دوچار ہے۔ میری گزارش یہ ہے کہ اس طرف بھی توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ پورے ملک کے لئے اور خصوصاً بلوچستان کے لئے۔

وزیراعظم صاحب کا ایک اور قابل ستائش کام یہ بھی ہے، بدقسمتی سے ہمارے ملک میں جو بھی پڑھ لکھ جاتے ہیں وہ یہ سوچتے ہیں کہ ہم نے تعلیم حاصل کر لی ہے اب سرکار ہمیں نوکری دے۔ گورنمنٹ کی کوشش ہے کہ ایجوکیشن کو 30 فیصد سے لے کر90 فیصد تک بڑھایا جائے لیکن اگر 80 یا 90 فیصد تک تعلیم ہوتی ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہو گا کہ گورنمنٹ سب کے سب کو روزگار یعنی نوکری دے گی یہ ممکن نہیں ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ پہلے ہی ہماری انتظامیہ پر زائد ریکروٹمنٹ ہوئی ہے۔ یہ بات اپنی جگہ پر ہے کہ بلوچستان کو 3.1فیصد کا کوٹہ3.5فیصد کا کوٹہ ابھی 1970ء کے حساب سے دے رہے ہیں جبکہ 1980ء کے حساب سے 5.1 بنتا ہے، یہ ابھی انہوں نے منظور نہیں کیا ہے، لیکن جب بھی ہم نے ان سے سینٹ میں حساب مانگا ہے تو 3.5 بجائے جو آج سے بیس سال پہلے کا کوٹہ ہے کبھی 1 فیصد کبھی ڈیڑھ فیصد جناب چیئرمین! آپ اور ہم پچھلے 8 سال سے اس ہاؤس میں کام کرتے ہیں اور آپ نے ہمیشہ دیکھا ہے۔ جب بھی ان سے پوچھا گیا ہے تو پرسینٹیج یہی ہے ہماری grievancesاپنی جگہ پر ہے وہdeficitپورا ہونا چاہیئے۔ لیکن عام طور پر یہ اب گورنمنٹ کے بس کی بات نہیں ہے کہ جتنے لوگ پڑھ جائیں ان کو روزگار دیں۔ وزیراعظم صاحب نے صحیح طور پر محسوس کرتے ہوئے یہ اسکیم سامنے لائی ہے یہ ٹیکسی اور ٹرانسپورٹ سکیم ہے اور بنکوں سے نوجوانوں کو قرضے دینے میں روزگار دینا ہے۔ میں سمجھتا ہوں بجا طور پر ایک بہت اچھی سکیم ہے۔ لیکن اس میں بھی ایک خاص بات ہے اس کی بہت شکائتیں ہمیں ملی ہیں کہ جو لوگ قرضے کے لئے اپلائی کرتے ہیں لوگوں کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ جب تک ان کی صحیح سفارشیں نہیں ہوتیں یا اچھے گھرانوں سے لوگ نہیں آتے ہیں اور بدقسمتی کی بات یہ ہے کہ کھاتے پیتے لوگ وہ گاڑیاں نکال کر خود چلا رہے ہیں۔ ہمارے ملک کا لیول تو اس حد تک گرا ہوا ہے۔ یعنی ہمیں شرم آنی چاہیئے کہ جس ٹیکسی پر ٹیکسی لکھا ہوا ہوتا ہے بجائے اس کے کہ اس کو غریب استعمال میں لائیں یا پڑھے لکھے نوجوان جو بے روزگار ہیں وہ چلائیں۔ ہم جیسے لوگ ان کو نکلوا کر اپنے گھروں میں بچوں کو سکول لے جانے اور لے

آنے کے لئے استعمال کرتے ہیں- ایک تو وزیراعظم صاحب نے اس پر سختی سے نوٹس لیا ہے- لیکن اس پر پورا عمل ہونا چاہیئے-

دوسری بات یہ ہے کہ آپ کی جتنی ڈیمانڈ ہے اتنی پیداوار نہیں ہے- اس کے متعلق کچھ پوائنٹس میرے پاس ہیں ، بعد میں کچھ بولوں گا- اب شاید نماز کا وقت ہونے والا ہے- آپ نے گھڑی دیکھی ہے، اس لئے میں کہہ رہا ہوں-

جناب چیئرمین : ٹائم آپ کا پورا ہو رہا ہے- wind up کریں-

انجینئر سید محمد فضل آغا : میں سر! کبھی کبھی بولتا ہوں- تو اس پر توجہ دینے کی ضرورت ہے پروگرام جو بھی آتے ہیں اسے فالو اپ کرنے کی ضرورت ہے- وہ تو اکثر بیوروکریسی کی بھینٹ چڑھ جاتے ہیں- یہ بہت اچھی اسکیم ہے اس میں بے روزگاری کا مسئلہ بھی حل ہو گا اور لوگ اس میں بڑے خوشحال بھی ہو سکتے ہیں- ان کی حوصلہ افزائی بھی ہو گی اس کو صحیح معنوں میں فالو کرنا چاہیئے-

تیسری بات یہ ہے میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ جب تک ہم اپنے لائف سٹائل میں سادگی نہیں لائیں گے، جب تک ہم ایک کروڑ کی بجائے 10 لاکھ کے مکان میں خود کو باوقار feel نہیں کریں گے، جب تک ہم 15 - 20 ہزار سوٹ کی بجائے 3-4 سو کی قمیض شلوار میں خود کو باوقار محسوس نہیں کریں گے- تب تک اس ملک کو ہم کچھ بھی نہیں دے سکیں گے- اس وقت ہوا یہ چلی ہے، جس کی لمبی گاڑی ہے جس کا اچھا بنگلہ ہے، جس میں زیادہ قالینیں بچھی ہوئی ہیں، جس کا زیادہ جاہ و جلال ہے، وہ خود کو بہتر آدمی سمجھتا ہے، جو اسلام کے بھی منافی ہے- اسلامی تعلیمات کے بھی منافی ہے، پاکستانی ہونے کی حیثیت سے یہ ہماری سوسائٹی کو آگے لے جانے اور اقتدار کے بھی منافی ہے، تو اس سلسلے میں بھی کوشش یہ کرنی چاہیئے اور کوشش ہمیشہ اوپر سے ہوتی ہے- جو صاحب اقتدار لوگ ہوتے ہیں، جو قائد اقتدار لوگ ہوتے ہیں، ان کی یہ کوشش ہونی چاہیئے اور اس ملک میں سادگی لانی چاہیئے- یہی ہماری اسلامی تعلیمات ہیں- یہ ہمارے رسولؐ کا فرمان ہے اور یہی پاکستان کو خود انحصاری کی طرف اور اپنے قدموں پر کھڑا کرنے کا واحد طریقہ ہے، ورنہ آپ لاکھ کہتے رہیں کہ ہم انحصاری کی طرف بڑھ رہے ہیں- جب تک سادگی نہیں ہو گی جب تک فضول خرچی پر

کنٹرول نہیں ہو گا، جب تک non-developmentبجٹ میں کمی نہیں ہو گی، تب تک آپ اس قوم کو آگے نہیں لے جا سکیں گے۔ بے شک آپ باتیں کرتے رہیں۔ جتنا بھی آپ اچھا بجٹ پیش کریں لیکن non-development expenditureکو بھی کم کرنا پڑے گا۔ اور پرائیویٹ سیکٹر میں بھی ہر آدمی کو ایک پاکستانی کی حیثیت میں اپنے گھر سے یہ معاملہ سٹارٹ کرنا پڑے گا۔ سادگی کے بغیر یہ بات نہیں ہو گی۔

جناب چیئرمین : ختم کریں۔

انجینئر سید محمد فضل آغا : جناب ابھی تو کافی ہے۔

جناب چیئرمین : جی ابھی کافی ہے، تو پھر ختم کریں۔ یہی تو کمال ہوتا ہے۔ اچھے مقرر کا۔

انجینئر سید محمد فضل آغا : جناب کچھ special indicator کی طرف توجہ دی ہے جس میں مثلاً یہ ہے کہ آبادی میں اضافہ ہوا ہے، شرح خواندگی بہت کم ہے، ماحول میں آلودگی ہورہی ہے، خواتین کا وقت آ رہا ہے، اس کی طرف توجہ دینی چاہیئے اور بدعنوانی کا خاتمہ بہت ضروری ہے۔ اس ملک کا ناسور بدعنوانی ہے جناب far all practical reasons, I know اس لئے کہ میں پبلک کا آدمی ہوں، میں گورنمنٹ کو serve بھی کر چکا ہوں۔ میں خود بھی دربدری گذر کرتا رہا ہوں۔ آج بھی پارلیمنٹ میں آپ کے ساتھ ہوں۔ پبلک سے میرا واسطہ ہے کہ اس ملک میں سب سے گندی بات جو ہے سب سے بری بات، سب سے بڑا ناسور کرپشن ہے، اور کرپشن اس ملک کو کھا رہا ہے، اس پر جتنی بھی آنکھیں بند کریں، وہ کسی بھی لیول پر ہو، پارلیمنٹ سے نیچے بھی ہو، جب تک یہ نہیں ہو گا اور کرپشن آپ کو نااہل بناتی ہے، کرپشن کی وجہ سے کوئی اہلیت اور competition تو رہتا ہی نہیں ہے۔ لہٰذا اس ملک کی بدحالی کی وجہ یہی ہے کہ باقی تھوڑا سا سندھ کے حالات کے متعلق، میں سمجھتا ہوں کہ سندھ کے حالات جتنے بدتر تھے۔ افواج پاکستان کو کریڈٹ ضرور جاتا ہے کہ بدقسمتی سے وہاں سندھ میں جس طرح ہم نے ماحول سیاسی بنا لیا ہے۔ وہ ہماری اپنے سیاست دانوں کی غلطیاں ہیں، جسکی وجہ سے سندھ جیسا پرسکون اور پرامن صوبے کے ماحول کو کہاں سے کہاں سے لے گئے۔ لیکن فوج نے بڑی شائستگی سے اس پر کنٹرول کیا

ہے اور اب بھی گزارش یہی ہے کہ وہاں جب بھی ممکن ہو، جتنا جلدی ممکن ہو وہاں الیکشن کرایا جائے۔ سندھ اسمبلی کے کورم کو پورا کیا جائے۔ اور فوج کی ذمے داری صرف بارڈروں پر ہے۔ انڈیا کے ساتھ بارڈر ضرور سیل ہونا چاہیئے۔ اس لئے سندھ میں جو بھی ہمارے ساتھ problems ہو رہے ہیں، وہ انڈین انٹیلی جنس کی وجہ سے ہے۔ اور انڈیا کے بھیجے ہوئے لوگوں کی وجہ سے ہے اور ان کے ایجنٹوں کی وجہ سے ہے، سندھی کوئی بھی ایسا نہیں ہے جو پاکستان سے وفادار نہ ہو چاہے وہ مہاجر ہو، چاہے ہو سندھی ہو، مہران کا رہنے والا ہو، وہ سب کو پاکستان کے وفادار ہیں۔ کسی پاکستانی کے وجود پر شک نہیں کرنا چاہیئے وہ BSO کے نام سے آتے ہوں چاہے وہ کسی سندھی موومنٹ کے نام سے آتے ہوں۔ within Pakistan, within federation ان کی grievances? ضرور ہو سکتی ہے۔ لیکن یہ شک کرنا کہ وہ پاکستان کے خلاف ہے یہ بالکل سراسر زیادتی ہے کچھ element ایسے ہو سکتے ہیں جو وہاں سے ان کے ایجنٹوں کے طریقوں پر آئے ہوئے ہیں۔ وہ سندھ گورنمنٹ کی بھی ذمہ داری ہے۔ فیڈرل گورنمنٹ کی بھی ذمہ داری ہے۔ اور اس کے لئے سندھ بارڈر کا سیل کرنا بہت ضروری ہے۔ ورنہ آج کل سندھ میں حالات بالکل پرسکون ہیں۔ ماحول سازگار ہے۔ ہم ان کے پڑوسی ہیں۔ ہمارے لوگ آتے جاتے ہیں ہم نے سب دیکھا ہے۔ اور اگر آپ عام سندھی کو ملیں میرا خیال ہے کوئی دوسرا اتنا polite پاکستانی نہ ہو جتنا ایک سندھی ہوتا ہے، لیکن بدقسمتی سے ہم نے سندھ کے ماحول اور کراچی کے ماحول کو خود اپنے سیاسی عزائم کی وجہ سے خراب کیا ہے۔ وہ آپ بھی جانتے ہیں پورے ہاؤس کو بھی معلوم ہے کہ کب سے اور کیوں کیا ہے۔ اس ماحول کو ٹھیک کرنا ہے۔ اس لئے کہ سندھ ہمارے لئے بہت اہم ہے۔ وہ پاکستان کی جان ہے، پاکستان کا دل ہے۔ وہ ہمارے لئے اتنا ہی معزز ہے جتنا باقی ہے۔ جناب اگر تھوڑی اجازت دیں تو خارجہ پالیسی پر دوچار پوائنٹس عرض کروں ۔

جناب چیئرمین : کافی ہو گیا خارجہ پالیسی پر۔

انجینئر سید محمد فضل آغا : نہیں نہیں جناب کچھ لوگ اپنے لئے بولتے رہے، میں اپنا پوائنٹ دو چار منٹ میں ختم کروں گا۔

جناب چیئرمین : دو منٹ میں پھر ختم کریں۔

انجینیئر سید محمد فضل آغا: کچھ پرانے تعلقات کا خیال رکھیں۔
ایک تو جناب خارجہ پالیسی میں یہ ہے کہ میرے خیال میں پچھلے دو سال سے جب یہ حکومت برسراقتدار آئی اتنی سٹیٹ فارورڈ خارجہ پالیسی ہماری کبھی بھی نہیں رہی ہے۔ مجھے یہ بات کرتے ہوئے فخر ہے، اس لئے پہلے یہ ہمیں امریکن پپٹ بھی کہتے رہے ہیں۔ ان کے ہاتھ میں کھیلنے والے بھی کہتے رہے ہیں۔ اور معلوم نہیں کیا کچھ نہیں کہتے رہے ہیں۔ ملک میں جو لوگ ہمارے ساتھ تھے وہ اس ایشو پر ہیں کہ ہمارے عزائم کیا ہیں۔ اس لئے کہ کمیونزم کو پاکستانی کی حیثیت میں کبھی بھی نہ ہم برداشت کرتے ہیں، نہ کرتے تھے، نہ کریں گے۔ افغانستان میں اگر ہم نے جہاد میں ساتھ چھوڑ دیا ہے تو اسلام کے نام پر ساتھ دیا ہے۔ امریکیوں کے ضرور ان کے ساتھ اپنی interest تھی۔ انہوں نے کمیونزم کو counteract کرنا تھا، ان کو ایک سپرپاور، سنگل پاور ہونا تھا، ورلڈ کا پولیس مین بننا تھا، لیکن وہ ہمارے عزائم تو نہیں گئے، روس سے آج ہم دوستی چاہتے ہیں۔ لیکن ہم ان کی کمیونزم اور ان کے سسٹم کو کسی بھی صورت میں اپنے ملک میں نہیں چاہتے تھے اور یہی ہمارا رویہ افغانستان میں ہے۔ چائنا سے ہماری دوستی ہے، وہاں سوشلزم ہے اور ہم اس دوستی پر فخر کرتے ہیں۔ لیکن دوسری فخر کی بات یہ ہے کہ نہ کبھی چائنا نے ہمارے internal system میں مداخلت کی ہے نہ ہم چائنا کے internal system میں مداخلت کرتے ہیں۔ برابری پر ہم سب سے دوستی چاہتے ہیں اور وہ یہی ہماری خارجہ پالیسی کی اساس ہے کہ اصول پرستی، برابری، حق اور انصاف، باہمی احترام، تعاون و اشتراک پر ہماری خارجہ پالیسی کی بنیاد رکھی گئی ہے۔ اور N.P.T یعنی Non-Proliferation Treaty پر ہم نے بار بار کہا ہے کہ آپ آئیں regional context پر ہم سے بات کریں اور اس پر اپنے دستخط کریں لیکن انڈیا ہے کہ اپنے hegemony صرف پاکستان پر ہی نہیں آس پاس سارک ممالک میں جتنے چھوٹے ممالک ہیں۔ آپ کو مالدیپ کا بھی معلوم ہے۔ آپ کو سری لنکا کا بھی معلوم ہے، آپ کو بھوٹان کا بھی معلوم ہے، آپ کو مشرقی پاکستان کا بھی معلوم ہے، آپ کو ہمارے ساتھ ان کے تعلقات کا بھی معلوم ہے، لہٰذا یہ کہنا کہ انڈیا کے ساتھ تعلقات اس طرح بہتر ہو سکتے ہیں۔ ممکن نہیں ہے، انڈیا کے اپنے عزائم ہیں۔ ان کی اپنی mentality ہے۔

ہمارے بزرگ رہنما اور سیاست دان جب اس وقت کانگریس میں تھے۔

انہوں نے اپنی کتابوں میں لکھا ہے کہ آخیر وقت میں جا کر نہرو اور گاندھی نے ان کو بھی retain کیا- جو ان کے ساتھ through out کانگریس میں رہے- انہوں نے اپنی کتابوں میں لکھا ہے کہ ہندوؤں کی mentality پر انڈین پر اعتماد کرنا یہ بالکل غلط ہے- وہ اپنی hegemony اس پورے ریجن میں رکھنا چاہتے ہیں- اس کے لئے ہمیں اپنے دفاع کا پورا حق ہے- جب تک انڈیاN.P.Tپر دستخط نہیں کرتا، جب تک پورےregional contextمیں بات نہیں ہوتی، میں سمجھتا ہوں کہ پاکستان کو نیوکلئیر پروگرام سے گو کہ ہمارا پرامن وجہ کے لئے ہے- انرجی کوboostکرنے کے لئے ہے- ہمارے کوئیevil designsنہیں ہیں- ہم کوئی اس قسم کے یعنی device نہیں بنا رہے ہیں جوbomb کے ہوں- لیکن پھر بھی ہمیں اس سے دستبردار نہیں ہونا چاہیئے-

یہی حال کشمیر کا ہے کشمیر ایک unfinished agenda ہے اقوام متحدہ کا- کشمیریوں کا اپنا حق نہ ملنے کا قصور چاہے انڈیا کا ہو چاہے پاکستان کا- یہ بات کہ کشمیریوں کو فیصلہ کرنے کا موقع نہیں ملا کہ وہ اپنا plebiscite کرائیں- جو یونائیٹڈ نیشنز اور اس کی سیکورٹی کونسل کے ریزولیوشن ہیں اور پچھلے 47 سال سے ان کے implement ہونے کے انتظار میں ہیں- مجھے افسوس ہے اقوام متحدہ کے حواریوں پر کہ جب ان کی بات ہوتی ہے تو وہ یونائیٹڈ نیشنز کے ریزولیوشن میں عراق میں شیعہ اور سنی کے درمیان بھی فرق سمجھتے ہیں کہ کس کو تحفظ دینا اور کس کو نہیں دینا- لیکن جب بوسنیا اور کشمیر اور سندھ کی باتیں آتی ہیں- تو پھر آنکھیں چھپا لیتے ہیں- وہ کہتے ہیں کہ ہم یہاں کے پولیس مین تو نہیں ہیں- بھئی ایک فورم ہے- اگر وہ اس کو لیگ آف نیشنز کی طرح آپ نے ختم کر دینا ہے- اس کی بھی افادیت ختم ہونی ہے- تو پھر الگ بات ہے ورنہ اس کا رویہ سب کے ساتھ ایک ہونا چاہیئے-

حال ہی میں آپ نے دیکھا چار پانچ ماہ پہلے فلسطینیوں کو انہوں نے وہاں سے نکال دیا- اب اس نے ریزولیوشن نمبر 199اس پر implementation نہیں ہو رہی- بوسنیا میں آپ نے arms enlarge تو کر دیا- مسلمان اور کرد وہاں مار کھا رہے ہیں لیکن Serbians کو سب کچھ مل رہا ہے- تو یہ ساری باتیں ہیں، جس سے پاکستان نے، پاکستان کے خارجہ دفتر نے سٹینڈ لیا ہوا ہے اس لئے پہلے میرا خیال ایسا کبھی نہیں ہوا تھا-

دوسری بات یہ ہے کہ بڑی achievement یہ ہے کہ آپ نے ایکو(ECO) کا base بڑھا دیا ہے۔ آپ نے 6 ، 7 اور اسلامی ممالک شامل کر دیئے ہیں۔ افغانستان میں امن لانے کے لئے بہت سخت کوشش کرنی چاہیئے اور میں سمجھتا ہوں۔ جس طرح عبدالرحیم صاحب نے فرمایا ہے کہ پاکستان اگر اس میں بالکل aloof رہے گا۔ تو یہ مسئلہ حل نہیں ہو گا۔

یہ ہماری ذمہ داری بنتی ہے ایک پڑوسی کی حیثیت سے کہ ہم ان کے داخلی معاملات میں کبھی بھی مداخلت نہ کریں۔ لیکن ہمیں یہ concern ضرور لینا چاہیئے کہ افغانستان ہمارا بھائی ہے ہمارا ساتھی ہے ہمارا انگ ہے۔ ہم اس کو اپنے جسم کا ایک حصہ سمجھتے ہیں۔ ہم نے ان کو آزادی دلانے میں 14 سال لڑائی لڑی ہے۔ اس کی وجہ سے پورے ملک اسلحہ کی وجہ سے flooded ہوا ہے۔ چودہ سال تک ہم نے 30 لاکھ مسلمانوں کو اور افغانوں کو اپنی سرزمین پر بٹھائے رکھا ہے اور یہ کمیونسٹوں کو وہاں سے نکالنا، یہ سہرا افغانوں کے سر ہے۔ لیکن پاکستانیوں نے اتنی ہی ان پر قربانیاں دی ہیں۔ آج بھی افغانستان میں امن و آتشی برقرار رکھتا ہے اور ان سب لوگوں کو ایک میز پر اکٹھا کرنا consensus develop کرنا، میں ان سے اتفاق کرتا ہوں، وہاں ایک consensus گورنمنٹ لانا یہ ہم سب کا پڑوسی ممالک کا فرض بنتا ہے۔ اور خصوصاً پاکستان کا یہ فرض بنتا ہے کہ وہ اپنا کردار ادا کرے اور وہاں امن و سکون ہو۔

گزشتہ 14 سالوں میں وہ بربادی افغانستان میں نہیں ہوئی تھی، جو پچھلے 6 ماہ میں کابل میں ہو رہی ہے۔ انسانیت اس کو دیکھ نہیں سکتی۔ میں اس لئے عرض کر رہا ہوں کہ ہمارے آدھے گھر وہاں ہیں اور آدھے یہاں۔ ہمیں ہر روز انفارمیشن مل رہی ہے۔ ہمیں سب معلومات حاصل ہیں اور ہم نے افغانستان کے ساتھ اس پورے خطے کی ترقی بند کی ہوئی ہے۔ منسلک ہے جب تک افغانستان میں امن قائم نہیں ہوتا آپ پورے خطے میں امن کی توقع نہیں رکھ سکتے ہیں اور موجودہ ECO کانفرنس جو کوئٹہ میں ہوا تھا۔ اس کا سہرا بھی میں سمجھتا ہوں دفتر خارجہ کے سر جاتا ہے۔

جناب چیئرمین : بڑی مہربانی جی، بہت مہربانی جی۔ Thank you very

much

انجنئیر سید محمد فضل آغا : اور تھوڑی سی میں عرض کروں گا۔

جناب چیئرمین : بس جی اب بہت ٹائم ہو گیا۔

انجنئیر سید محمد فضل آغا : ایک منٹ، ایک منٹ سر، سر وہ کچھ باتیں یہاں پر ہو رہی ہیں، آٹھویں ترمیم پر بھی بڑی----

جناب چیئرمین : وہ بعد میں کر لیں۔

انجنئیر سید محمد فضل آغا : controversy چلتی رہی، میں عرض کر رہا ہوں.... کیا فرمایا شاہ صاحب آپ نے؟

جناب چیئرمین : شاہ صاحب کہہ رہے ہیں وہ کوئی خاص بات نہیں بعد میں کر لیں۔

انجینئیر سید محمد فضل آغا : خاص بات شاہ صاحب کے لئے نہیں ہو گی جی میرے اپنے ذہن سے تو ہے۔ اس میں یہ ہے کہ واقعی جیسا کہا گیا ہے کہ 1973ء کا آئین جو تھا وہ متفقہ آئین تھا اور اس میں سات ترامیم اس آٹھویں ترمیم سے پہلے ہوئی ہیں۔ اور آٹھویں ترمیم بھی اس وقت آپ بھی تھے اور ہم بھی یہیں تھے جس وقت آٹھویں ترمیم آ رہی تھی اور اس وقت آپ نے جو کہا تھا وہ سب کے سامنے ہے تو اب آٹھویں ترمیم کی جہاں خوبیاں ہیں وہاں اس میں کچھ خامیاں بھی ہوں گی تو اس معاملے کو دونوں فورم پر ڈسکس کر کے اور دو تہائی اکثریت سے درست کیا جا سکتا ہے۔ اس کی اگر نوک پلک ٹھیک کرنی ہے، اس میں اگر کچھ ترمیم کرنی ہے تو میں سمجھتا ہوں کہ آئین میں اس کی گنجائش ہے اس لئے کہ بسا اوقات مختلف ارکان کی طرف سے نیشنل اسمبلی میں اور سینٹ میں اس پورے آئین پر اعتراضات کئے گئے ہیں اور اس میں درستگی کے لئے بات کی گئی ہے اور اس طرح اس context میں آئین میں یہ گنجائش ہے اور اس میں اگر ایک ترمیم بھی لانی ہے اور پارلیمانی سسٹم کو مضبوط کرنا ہے تو

میں سمجھتا ہوں کہ ایک آئینی طریقے سے اس میں ترمیم ضروری ہونی چاہیئے۔ اور اگر اس کو wave ہی کرنا ہے تو پھر پوری آٹھ کی آٹھ ترامیم wave کریں آپ پھر سیدھا ہی 73ء کے آئین پر چلیں۔ لیکن کیا یہ صحیح ہے، یہ صحیح نہیں ہے پھر پورے آئین کے لئے میں کہتا ہوں، میں سمجھتا ہوں کہ پورے پارلیمنٹ کے دونوں ہاؤسز کی کمیٹی بیٹھے اور پورے آئین کو ریوائز کرے اور جہاں جہاں ترمیم کی ضرورت ہے وہاں ضرور کرے۔ اس لئے کہ شخصیتیں آتی جاتی رہیں گی لیکن آئین اور ملک جو ہے وہ باقی رہنا چاہیئے اور انشاء اللہ رہے گا۔ ملک بھی باقی رہے گا اور ساتھ آئین بھی رہے گا تو آئین کو کسی بھی ایک شخص کے لئے ادھر یا ادھر turn کرنے کے حق میں، میں نہیں ہوں۔ آئین کو پاکستان کے عوام کے لئے بنانا چاہیئے۔ چاہے کوئی پارٹی برسراقتدار آئے اور کب آئے اور اس میں جتنی بھی ترامیم کی ضرورت ہے، consensus سے تو ضرور ہونی چاہیئے۔ میں جی آپ کا بھی مشکور ہوں اور معزز اراکین کا بھی بہت مشکور ہوں۔

جناب چیئرمین : بہت مہربانی۔ شکریہ۔

جناب اعجاز علی خان جتوئی : پوائنٹ آف آرڈر جناب۔

جناب چیئرمین : جی جناب جتوئی صاحب۔

Mr. Aijaz Ali Khan Jatoi: Just to set the record straight.

73 Constitution, consensus Constitution نہیں تھا، پہلی بات-----

جناب چیئرمین : بہرحال کل آپ کی تقریر ہو گی کل آپ فرما دیں۔

جناب اعجاز علی خان جتوئی : میں یہ کہہ دیتا ہوں کہ اس میں پانچ باقی ممبران-----

جناب چیئرمین : بہرحال جو بھی ہے کل آپ تقریر کریں گے اس

میں بتا دیں۔

(مداخلت)

جناب عبدالرحیم خان مندوخیل: جی جناب personal explanation جی۔ وہ یہ تھا انہوں نے فرمایا کہ عبدالرحیم نے یہ کہا وہاں جو ہے ایک قسم کے الفاظ ایسے استعمال کئے۔

جناب چیئرمین : شوریٰ حل و عقد۔

جناب عبدالرحیم خان مندوخیل : نہیں جیسے کہ میں کہہ رہا ہوں کہ وہاں مداخلت کیا جائے۔

انجینئیر سید محمد فضل آغا : نہیں ایسا نہیں کہا۔

جناب عبدالرحیم خان مندوخیل: نہیں نہیں! آپ نے یہ کہا کہ پہلے بھی مداخلت ہوئی، اب بھی مداخلت، مداخلت نہ کی جائے۔

انجینئیر سید محمد فضل آغا : صحیح ہے میں نے یہی کہا، آپ نے کہا نہیں کی جائے۔

جناب عبدالرحیم خان مندوخیل: ان لوگوں کو چھوڑا جائے یعنی افغانوں کو کہ وہ اپنا فیصلہ خود کریں۔

جناب چیئرمین : بالکل صحیح، ہاں جی شہزاد گل صاحب۔

جناب شہزاد گل : شکریہ! جناب چیئرمین! آپ نے مجھے صدر کے خطاب پر اپنے خیالات کے اظہار کا موقع دیا۔ جناب والا! دوستوں نے کافی بحث کی ہے اور مختلف مسائل پر اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ میں کوشش کروں گا کہ جو خیالات انہوں نے ظاہر کئے ہیں ان کو نہ دہراؤں۔ باتیں تو بہت ہیں لیکن میں

صرف ان باتوں کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کروں گا جس کا صدر صاحب کے خطاب میں ذکر نہیں ہے اور اس میں سب سے پہلی بات جو ہے وہ صوبائی خودمختاری کی ہے۔ چاہیئے تھا کہ صدر صاحب صوبائی خودمختاری کے متعلق اپنے خطاب میں واضح اشارات دیتے جس طرح کہ انہوں نے حکومت کی گزشتہ سال کی کارکردگی کا جائزہ پیش کیا ہے اور آئندہ بھی مستقبل کے لئے بھی اپنے مفید مشورے دیئے ہیں تو اسی طرح خودمختاری، صوبائی خودمختاری کے متعلق بھی کچھ اشارات دیتے حکومت کو تو کافی بہتر ہوتا۔

جناب والا! پاکستان ایک وفاقی مملکت ہے۔ یہ ایک مسلمہ امر ہے کہ وفاق اس وقت تک ترقی نہیں کر سکتا جب تک کہ اس کے یونٹ، اس کی اکائیاں، اس کے صوبے جو ہیں وہ ترقی نہ کریں۔ مثال اس طرح ہے کہ ایک انسان جو ہے ملک کی مثال بھی ایک انسانی جسم کی ہے اور جب تک ایک انسان کے مختلف اعضاء تندرست نہ ہوں، صحیح نہ ہوں، سالم نہ ہوں---

حافظ حسین احمد : پوائنٹ آف آرڈر۔

جناب چیئرمین : جی حافظ صاحب پوائنٹ آف آرڈر۔

حافظ حسین احمد : اس طرح آج ختم بھی نہیں ہو رہی تقاریر تو میں سمجھتا ہوں کہ اگر وقفہ آپ کریں نماز کے لئے اذان تو ویسے بند کر دی انہوں نے یہاں پر۔

جناب چیئرمین : نہیں نماز کتنے بجے ہوتی ہے، کتنے بجے ہو گی نماز۔

حافظ حسین احمد : اب رمضان شریف میں روزہ بھی ہے سب کا کم از کم نماز تو پڑھ لینے دیں۔

جناب چیئرمین : وہ کہتے ہیں نماز ہو گی سوا ایک بجے لیکن کہتے ہیں روزے ---

حافظ حسین احمد : یہ تو زیادتی ہے جی، ہم یہ سمجھتے ہیں کہ اگر رمضان شریف میں آپ ---

جناب چیئرمین : نہیں تو اس میں یہ ہے ناں کہ پڑھ لیں اس میں کیا حرج ہے۔

حافظ حسین احمد : یہ نہیں کہہ رہے جی کہ پڑھ لیں۔ ظاہر ہے نماز جماعت کے ساتھ پڑھی جاتی ہے۔

جناب چیئرمین : نہیں جماعت ہوتی ہے سوا ایک بجے۔

حافظ حسین احمد : جناب ہم یہاں نمائندگی کریں اگر نماز کے لئے جاتے ہیں تو کم از کم ---

جناب چیئرمین : تو اب کیا کیا جائے، اب ان کی تقریر سنیں یا نہ سنیں۔

حافظ حسین احمد : یہ آپ کی مرضی ہے جی، میں یہ پوچھنا چاہوں گا۔

جناب شہزاد گل : ان کی تقریر تو ہم نے سنی ہے اب یہ اوروں کی تقریر سے تو----

ڈاکٹر محمد ریحان : پوائنٹ آف آرڈر۔

جناب چیئرمین : جی پوائنٹ آف آرڈر جناب۔

ڈاکٹر محمد ریحان : جناب حافظ صاحب کے جذبات کا ہمیں بہت قدر ہے ہم عزت کرتے ہیں۔ لیکن اسی رمضان کے مہینے میں تو بدر کی لڑائی بھی لڑی گئی تھی۔

جناب چیئرمین : کیوں حافظ صاحب لڑی گئی تھی لڑائی۔

حافظ حسین احمد : وہ تو لڑائی لڑی گئی تھی۔ مجھے یہ بتایا جائے لڑائی تو بعد میں لڑیں گے لیکن یہ اذان بند کس نے کی۔ آپ کے حکم پہ ہوئی ہے۔

جناب چیئرمین : نہیں نہیں یہ -----

حافظ حسین احمد : نہیں ایک روایت ہے جی۔ یہاں پر قومی اسمبلی میں ---

جناب چیئرمین : نہیں مجھے یہ بتائیں آپ کیا چاہتے ہیں کہ روز وقفہ کر دیا کریں یا ----

حافظ حسین احمد : میں یہ نہیں چاہتا، میں آپ کی رولنگ چاہتا ہوں کہ کیا یہ آپ کے حکم پر اذان بند کی گئی ہے۔

جناب چیئرمین : نہیں نہیں میرا کوئی حکم نہیں ہوتا یہ آپ کا حکم ہوتا ہے۔

حافظ حسین احمد : کس کے حکم پر ہوا ہے؟

جناب چیئرمین: یہ آپ کا حکم ہوتا ہے۔

حافظ حسین احمد : نہیں میرا حکم نہیں ہے۔

جناب چیئرمین : نہیں مجھے آئندہ کے لئے بتا دیں ، آج تو ہو گئی۔

حافظ حسین احمد : میں نے جناب وزیر قانون سے بات کی -----

جناب چیئرمین : مجھے یہ بتائیں۔

حافظ حسین احمد : انہوں نے کہا جی مجھے پتہ نہیں ہے۔

جناب چیئرمین : آپ، آپ مجھے یہ بتائیں کہ آپ۔ اب مجھے بتایا گیا ہے کہ سوا ایک بجے ہوتی ہے۔ آپ وقفہ کریں گے یا جس طرح کہ لوگ کہتے ہیں کہ جی ظہر کی نماز جو ہے اس کے لئے وقت ہوتا ہے۔

حافظ حسین احمد : میں جناب یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ اذان آپ کے حکم پر بند ہوئی ہے۔

جناب چیئرمین : نہیں نہیں۔ میرے حکم پر کوئی اذان بند نہیں ہو سکتی۔ یہ تو----

حافظ حسین احمد : شکریہ۔

جناب چیئرمین : میرے حکم پر نہیں ہوئی اذان بند۔ نماز ضرور پڑھیں جی جو پڑھنا چاہتا ہے نماز پڑھ لے۔ بے شک پڑھیں جو بھی پڑھنا چاہتا ہے۔ جی جناب شہزاد گل صاحب۔

جناب شہزاد گل : جناب والا! میں گزارش کر رہا تھا کہ جس طرح ایک انسان کے جسم کے اعضاء صحیح سالم نہ ہوں، وہ مضبوط نہ ہوں تو وہ انسانی جسم جو ہے وہ کمزور ہوتا ہے اور وہ کسی کام کا نہیں ہوتا۔ اسی طرح جب تک صوبے ترقی نہ کر سکیں۔

جناب چیئرمین : اور کل ساڑھے نو بجے شروع کریں گے۔ میں بتا دوں سب کو۔

جناب شہزاد گل : وفاق پاکستان جو ہے وہ مضبوط نہیں ہو گا، وہ اپنا دفاع نہیں کر سکے گا وہ کمزور ہو گا اور اس پر ہر طرف سے مداخلت اور اس پر حملوں کی گنجائش جو ہے وہ موجود رہے گی، خطرہ اس کو موجود رہے گا۔ جناب والا!

چاہیئے تھا کہ صدر صاحب اپنے خطاب میں اس طرح کا کوئی اشارہ کرتے کہ صوبوں کو اپنے وسائل پر اپنے ذرائع آمدن پر جو قدرت نے ان کو دیئے ہیں ان پر ان کو اختیار حاصل ہو اور وہ اپنے وسائل کو ترقی دے کر اپنے آپ کو، اپنے صوبوں کو، اپنی عوام بہتری کے لئے ان کو develop کریں اور وہ ترقی کریں تو یہ زیادہ اچھا ہوتا۔ جناب والا! ہم زیادہ کچھ نہیں چاہتے۔ موجودہ وزیراعظم صاحب جب پنجاب کے وزیراعلیٰ تھے اور مرکز میں بے نظیر کی حکومت تھی تو وہ سارے عرصہ اپنی حکومت کے دوران وفاق کے ساتھ لڑتے رہے۔ جھگڑتے رہے اور ان سے مطالبہ کرتے رہے کہ پنجاب کو زیادہ سے زیادہ خودمختاری دی جائے۔ پنجاب کو یہ دیا جائے، پنجاب کو بنک دیا جائے، پنجاب کو ٹی وی اسٹیشن دیا جائے اور بھی چیزیں یعنی جتنا وہ مطالبہ کر سکتے تھے وہ پنجاب مرکز سے طلب کر رہا تھا۔ آج وہی وزیراعلیٰ پاکستان کا وزیراعظم ہے۔ ہم بھی یہی چاہتے ہیں کہ موجودہ وزیراعظم وہی کچھ یعنی صوبوں کو دیا جائے جو وہ بحیثیت وزیراعلیٰ مرکز سے طلب کر رہے تھے اور وہ کہتے ہیں جو چیز اپنے لئے پسند کرتے ہو اوروں کو بھی دینی چاہیئے۔ اوروں کے لئے بھی پسند کرنی چاہیئے اور اس کو صوبائی خودمختاری بحیثیت وزیراعلیٰ اتنی عزیز تھی تو پھر چاہیئے کہ اپنے دورِ حکومت میں اس طرح کی ترمیم لائے کہ صوبوں کو زیادہ سے زیادہ خودمختاری ملے، وہ اپنے پاؤں پر کھڑے ہوں، وہ اپنے وسائل کو ترقی دیں، اپنے آپ کو ترقی دیں۔

جناب والا! یہ ایک مسلمہ امر ہے یہ ایک حقیقت ہے اور شاید جناب والا! ایک دفعہ آپ کے ساتھ بات کرتے وقت آپ نے ذکر کیا تھا کہ چونکہ آئین کے کسی آرٹیکل میں یہ بات درج نہیں ہے لیکن یہ ایک حقیقت ہے۔ ابھی میں بیرسٹر ظہور کے ساتھ بات کر رہا تھا۔ یہ اس وقت کے سینیٹر تھے۔ 1973ء کے اس 73ء کے آئین کے پاس ہونے کے وقت۔ پارٹیوں کے درمیان، ممبران کے درمیان، مختلف پارٹیوں کے لیڈروں کے درمیان یہ ایک مفاہمت ہوئی تھی کہ 10 سال کے بعد یا دوسرے جنرل الیکشن کے بعد آئین پر نظرثانی کی جائے گی۔ اور یہ کہ concurrent list ہے اس میں جو امور درج ہیں یہ صوبوں کو منتقل کئے جائیں گے اور اس وقت چونکہ یہ مفاہمت ہوئی تھی اس وجہ سے بھٹو صاحب concurrent list سے کافی امور federal list میں لے آئے تھے۔ کیونکہ بعد میں جب concurrent list دس سال کے بعد جب صوبوں کو منتقل ہو جائے گی تو یہ ہو کہ زیادہ سے زیادہ federal list میں اختیارات federation کے پاس رہیں گے۔

تو یہ ایک مسلمہ امر ہے کہ concurrent list جو ہے اس پر میرے دوست مٹہ صاحب نے بھی کل بات کی ہے۔ مندوخیل نے بھی اور ابھی فضل آغا صاحب نے بھی اس کے متعلق ذکر کیا کہ آئین پر اس طرح نظر ثانی کرنی چاہیئے۔ کیونکہ صوبے جو ہیں concurrent list کے متعلق (اس میں شریک نہیں) صوبے بھی قانون سازی کر سکتے ہیں۔ لیکن اگر صوبے قانون سازی کریں تو بھی اس پر عمل درآمد نہیں ہو گا۔ اگر اس کے متعلق فیڈریشن پاکستان قانون بنائے تو پھر صوبے کا قانون کالعدم تصور ہو گا۔ اور مرکز کا قانون جو ہے وہ چلے گا اور اس کے مطابق کام ہو گا۔ یہ حق بھی تسلیم کیا گیا تھا اور چاہیئے کہ اس پر عمل درآمد ہو۔ لیکن دراصل بات یہ ہے کہ جب کوئی اقتدار سے باہر ہوتا ہے تو عوام سے وعدہ کرتا ہے، لوگوں سے وعدہ کرتا ہے کہ اگر میں اقتدار میں آ گیا تو میں یہ کروں گا، وہ کروں گا۔ اور جب وہ اقتدار میں آتا ہے تو پھر اپنے ہاتھ سے وہ اختیار اور اقتدار دوسروں کو منتقل نہیں کرتا۔ یہ عجیب سی بات ہے یہ نہیں ہونی چاہیئے۔

ہم وزیراعظم صاحب سے گزارش کریں گے کہ وہ اس مسئلے پر سنجیدگی سے غور کریں ہم سنتے ہیں کہ آئینی ترمیم آ رہی ہے۔ تو آئینی ترمیم جو بھی آئے تو اس میں یہ concurrent list کی صوبوں کو منتقلی کی بات اور یہ صوبائی خودمختاری کی بات اس میں شامل ہو۔

آج ایک دوسرا اہم مسئلہ جناب والا! کالا باغ ڈیم کا ہے۔ آج کل اخبارات میں اور جلسے اور جلوسوں میں، گلی کوچوں میں کالا باغ ڈیم کا مسئلہ اٹھا ہوا ہے لیکن صدر صاحب کے خطاب میں کالا باغ ڈیم کے متعلق کوئی ذکر نہیں ہے۔ حالانکہ یہ وقت کا اہم ترین مسئلہ ہے۔

جناب والا! یہ کئی سالوں سے 1973ء کے بعد تو سی سی آئی کی میٹنگ نہیں ہوئی۔ 1973ء کے بعد دریائے سندھ کے پانی کی تقسیم کا مسئلہ لاینحل پڑا تھا۔ اور پیچیدہ مسئلہ تھا۔ صوبے مطمئن نہیں تھے۔ کمیشن کے کمیشن بن رہے تھے لیکن وہ کسی ایک بات پر متفق نہیں ہو رہے تھے - نہ کسی ایک فارمولے پر۔ لیکن یہ اے این پی کو کریڈٹ جاتا ہے کہ اس نے سرحد کی جانب سے (اس کی حمایت کی) کیونکہ اے این پی پہلے اس کی مخالفت کر رہی تھی۔ لیکن جب سرحد کی

حکومت اس میٹنگ میں بیٹھی تو اے این پی نے موجودہ فارمولے کو قبول کیا اور جب موجودہ فارمولا اے این پی نے قبول کیا۔ تب دریائے سندھ کے پانی کی تقسیم کے ایگریمنٹ پر دستخط ہوئے۔ یہ اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ ہر ایک صوبے کے وزیراعلیٰ نے اس پر دستخط کئے ہیں۔ ہر ایک صوبے کے وزیرخزانہ اور آبپاشی کے وزیر نے بھی دستخط کئے ہیں۔ اگر اے این پی کا اس میں کوئی کردار نہ ہوتا تو پھر آبپاشی کے وزیر کے جو اے این پی سے تعلق رکھتا ہے پھر اس کے دستخط کی کیا ضرورت تھی۔ لیکن یہ جو مسئلہ تھا۔ یہ لاینحل اور پیچیدہ مسئلہ تھا جسے اے این پی نے حل کیا اور اس understanding کے ساتھ حل کیا تھا کہ اس سے ہر ایک صوبے کو جو پانی کا حق دیا گیا ہے وہ اپنے وسائل کے مطابق اور اپنی ضرورتوں کے مطابق (اسے ملے گا)۔ وہ پانی اپنے علاقے میں استعمال کریں گے۔ یہ نہیں تھا کہ اب کالا باغ ڈیم ہے۔ دریائے سندھ کا ایک کنارہ پنجاب کی طرف ہے۔ دریائے سندھ کا دوسرا کنارہ سرحد کا ہے۔ اگر وہ ڈیم بناتے ہیں تو پھر وہ اپنی زمین پر ڈیم بنائیں، سواں پر ڈیم بنائیں۔ منگلا پر بنائیں، جہلم پر بنائیں، چناب پر بنائیں۔ جہاں بھی بنائیں لیکن اس سے کسی دوسرے صوبے کو نقصان نہ ہو تو ہمیں منظور و قبول ہے۔ اس کا حق ہے۔ لیکن اگر اس سے دوسرے صوبے کی تباہی ہوتی ہے۔ دوسرا صوبہ جو ہے وہ جزیرہ بنتا ہے۔ دوسرے صوبے میں water lagging اور سیم و تھور آنے کا خطرہ ہے۔ تو پھر ایسا منصوبہ کبھی بھی قابلِ قبول نہیں ہے اور جب یہ معاہدہ ہوا تھا تو یہ understanding تھی کہ ایک صوبہ اپنا پانی استعمال کرے گا لیکن وہ کسی دوسرے صوبے کو نقصان نہیں پہنچائے گا۔ یہ اسی understanding کے ساتھ ہوا تھا ورنہ اگر یہ تھا کہ یہ کل کالا باغ ڈیم بنائیں گے تو پھر کیوں ہم دستخط کرتے۔ جناب ہم کیوں اس پر راضی ہوتے۔ ہم کبھی اس پر راضی نہ ہوتے۔

جناب اس کے ساتھ ہی صوبوں کے درمیان محاذ آرائی پیدا ہو گئی۔ یہ پنجاب اور سرحد کے درمیان ہے۔ اور یہ صرف سرحد کے لئے ہی نقصان دہ نہیں بلکہ بلوچستان بھی اس پر ناراض ہے۔ سندھ بھی اس پر ناراض ہے۔ تو یہ صوبہ پنجاب ایک طرف اور باقی تینوں صوبے ایک طرف۔ ان کے درمیان تنازعہ ہے۔ نہ کہ صرف وفاق اور صوبے کے درمیان جھگڑا ہے۔ یہ ایک ایسا مسئلہ ہے کہ وزیراعظم صاحب نے مہربانی فرما کر کہا ہے (اور ہم اس کے مشکور ہیں) کہ چاروں صوبوں کی متفقہ آراء حاصل کی جائیں گی۔ اور consensus حاصل کی جائے گی۔

اس کے بعد کوئی ڈیم بنے گا لیکن چاہیئے تھا کہ صدر صاحب بھی اپنے خطاب میں حکومت کو اس قسم کا کوئی مشورہ دیتے۔ کیونکہ صوبہ سرحد کی اسمبلی بلا تمیز سیاسی اختلافات کے، بلا تمیز سیاسی پارٹیوں کے دو دفعہ متفقہ طور پر قراردادیں پاس کر چکی ہے۔ جس میں پیپلز پارٹی بھی شامل ہے۔ جماعت اسلامی بھی شریک ہے۔ جمیعت العلمائے اسلام بھی شریک ہے۔ مسلم لیگ بھی ہے۔ اے این پی بھی ہے۔ سب ہیں اور سب پارٹیوں نے متفقہ طور پر resolution پاس کئے ہیں۔ اس لئے یہ مسئلہ کالا باغ ڈیم کا جو ہے اسے ترک کر دینا چاہیئے اور اس کے متبادل کم خرچ پر زیادہ بجلی پیدا کی جا سکتی ہے۔ لہٰذا یہ کالا باغ ڈیم کا ارادہ ترک کر دینا چاہیئے اور اس کی جگہ بھاشا پر یا کسی اور جگہ پر جو متبادل جگہیں ہیں ان پر ڈیم بنانے چاہئیں تا کہ توانائی کی کمی پوری ہو سکے ۔

جناب والا! صدر صاحب نے خارجہ پالیسی کے متعلق کافی ذکر کیا اور اس پر کافی باتیں ہوئی ہیں۔ لیکن میری یہ گزارش ہے کہ موجودہ وقت میں ملک کی خارجہ پالیسی قطعاً کامیاب نہیں ہے۔ بالکل کمزور ترین خارجہ پالیسی ہے اور کسی ملک کی خارجہ پالیسی اس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتی جب تک وہ ملک کی اندرونی پالیسیوں کے موافق نہ ہو۔

سندھ میں حالات ابھی تک پرامن نہیں ہوئے۔ فوج کو طلب کیا گیا۔ اور ابھی تک حالات معمولی پر نہیں آئے۔ سندھ میں غیرملکی ماہرین کو (چین اور جاپان کے ماہرین) کو اغوا کیا گیا۔ کوئی بھی ایکسپرٹ آنے کو تیار نہیں تھا کہ وہ اندرون سندھ کام کرے اور ملک کی بہتری کے لئے اپنے experience کے مطابق جن کاموں کے لئے انہیں طلب کیا جاتا ہے وہ سرانجام دے سکیں۔ ایسا دکھائی دیتا ہے کہ محض ایم کیو ایم کی سیاسی قوت کو ختم کرنے کے لئے یہ کلین اپ مشن شروع کیا گیا تھا۔ لیکن اس کے سوا باقی اس کا کوئی خاطر خواہ نتیجہ برآمد نہیں ہوا ہے۔

لیکن جناب والا! سب سے اہم مسئلہ خارجہ پالیسی کے ضمن میں افغانستان کا مسئلہ ہے۔ افغانستان میں ابھی تک لڑائی جاری ہے۔ افغانستان کا مسئلہ ابھی تک حل نہیں ہوا ہے۔ افغانستان میں لاکھوں افغانوں کا قتل عام ہو چکا ہے۔

جناب والا! اب مستقبل کا مورخ افغانوں کی آئندہ نسلیں یہ ضرور جاننا چاہیں گی کہ لاکھوں افغانوں کا قاتل کون ہے۔ تاریخ دان یہ جاننے کی کوشش کرے گا کہ آخر یہ لاکھوں افغان کیوں قتل ہوئے۔ ان لاکھوں افغانوں کا قاتل ضیاء الحق ہے۔ جس نے اپنی ڈکٹیٹرشپ کے اقتدار کو جائز قرار دینے کے لئے اور امریکہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے یہاں پر اس طرح کے حالات پیدا کئے تاکہ وہاں سے لاکھوں مہاجر آئیں اور پھر سعودی عرب، امریکہ اور چین کا اسلحہ اور سعودی عرب کی دولت حاصل کرے۔ اندرون افغانستان میں لگاتار لڑائی کرائی وہ افغانوں کو ایک دوسرے کے خلاف لڑاتا رہا۔ یا افغانوں کا قاتل بے نظیر بھٹو ہے جس نے پاکستان کی سرزمین پر افغان شوریٰ کا اجلاس طلب کیا اور یہاں پر اے آئی جی افغانستان کی عارضی عبوری حکومت قائم کی۔ پھر اس عبوری حکومت کی معرفت اپنے یعنی امریکہ کے آقاؤں کو خوش کرنے کے لئے وہ اپنی سیاست چلاتی رہی اور ان کو استعمال کرتی رہی یا پھر نواز شریف ہے جس نے پشاور کا معاہدہ کرایا اور اس پر اب عملدرآمد کرنے میں وہ ناکام ہو چکا ہے۔ پشاور کے معاہدے کے بعد یعنی اب افغانستان میں لڑائی جاری ہے۔ وہی اسلحہ افغان اب ایک دوسرے کے خلاف استعمال کر رہے ہیں۔ تو یہ ہے کہ ایسا مدبر شخص، ایسا سیاستدان اور حکمران شخص کبھی بھی ایسا معاہدہ نہیں کرتا جس پر وہ آئندہ عملدرآمد نہ کرا سکے۔ تو اب معاہدہ تو کرا دیا لوگوں کو واپس بھیج دیا لیکن اب وہ اس پر عملدرآمد نہیں کرا سکتا تو یہ بھی ہے۔

اچھا، یہ بھی ہے کہ امریکہ روس سے ویت نام کی جنگ کا بدلہ لینا چاہتا تھا۔ ہم ابتدا سے یہی کہہ رہے ہیں کہ یہ روس اور امریکہ کی لڑائی ہے۔ ہمارے محترم اور مرحوم و مغفور لیڈر باچا خان یہی کہتے تھے کہ یہ تو امریکہ اور روس کی لڑائی ہے اور ہم (پاکستان) بیچ میں مینڈکوں کی طرح نہ آئیں ورنہ بھینسوں کی لڑائی میں مینڈک اپنے آپ کو بیچ میں اندر کر رہا ہے اور کچلا جائے گا۔ اسی طرح افغان جو ہیں نہ وہ ایک دوسرے کو قتل کریں گے، نہ اپنے ایک دوسرے کا خون بہائیں گے۔ جناب والا! وہی بات کہ جب روس اور امریکہ کا جنیوا معاہدہ ہوا اور روس نے کہا کہ میں واپس جا رہا ہوں اور جب روس واپس چلا گیا اور امریکہ ادھر بیٹھ گیا، اب چین بھی نہیں آ رہا، سعودی عرب بھی انہوں نے بھی پیسے دینے بند کر دیئے۔ پشاور کا معاہدہ ہوا لیکن لڑائی ابھی تک جاری ہے۔ وہی دولت اور وہی اسلحہ جو بیرون ملک سے آیا ہے اب اقتدار کی جنگ ہے یعنی ہم شروع سے کہہ

رہے تھے کہ یہ جہاد نہیں ہے۔ یہ فساد ہے اور وہی فساد ہے جو اب جاری ہے۔

صدر مملکت نے جس طرح کہ مندوخیل صاحب نے کہا صدر صاحب کو تو ذاتی طور پر بھی علم ہے بحیثیت صدر مملکت بھی، کہ یہ ابتدا سے ہی فساد تھا اور اس کو عظیم جہاد اور عظیم کامیابی کہنا یہ میری سمجھ میں نہیں آتا۔ یہ صدر صاحب کے لئے مناسب نہیں تھا کہ وہ اسے عظیم جہاد اور عظیم کامیابی سے قرار دیتے۔

جناب والا! اس طرح آئی ایس آئی بھی ملوث ہے، ساری جنگی حکمت عملی آئی ایس آئی نے تیار کی اور مندوخیل صاحب نے ایک جنرل حمید گل صاحب کا نام لیا، وہ instrumental تھا اس سارے ڈرامے کا اور سارا ڈرامہ اسی نے رچایا اور آیا پٹھانوں کا قاتل جماعت اسلامی ہے آپ نے تو ابھی چھٹی منظور کی وہ کہاں پر بیٹھے ہیں وہ ایک گروپ کے ساتھ گلبدین حکمت یار کے ساتھ، وہ اسی کا آلہ کار ہے۔ قاضی صاحب کا آلہ کار ہے۔ اور قاضی صاحب ہی اس کو یعنی جماعت اسلامی ہی انہیں لڑا رہی ہے۔ ہم جاننا چاہیں گے کہ آیا یہ افغانوں کا قاتل جو ہے یہ کون تھا اور جو بھی ہوا افغانوں کی آئندہ نسل اپنے قاتلوں کو کبھی بھی معاف نہیں کرے گی۔ اور ان سے وقت آنے پر، اور طاقت حاصل کرنے کے بعد یعنی جب بھی وہ برسراقتدار آئیں گے جب بھی وہ مضبوط ہوں گے تو وہ اپنے قاتلوں سے بدلہ یقیناً لینے کا حق جو ہے وہ محفوظ رکھتے ہیں۔ جناب والا! جب تک افغانستان میں امن قائم نہ ہو جب تک افغانستان کی سالمیت، یکجہتی، آزادی اور اتحاد برقرار نہ ہو تو پاکستان کی سالمیت بھی خطرے میں رہے گی۔ پاکستان اب جس طرح کہ دوستوں نے کہا کہ ECO قائم ہوا، ECO کا دائرہ جو ہے وہ نو ملکوں تک پھیل گیا ہے۔ لیکن اب بھی کس راستے سے آپ جائیں گے جب افغانستان میں امن نہ ہو، جب افغانستان میں ایک مستقل، ایک غیر جانبدار، ایک آزاد اور خودمختار حکومت قائم نہ ہو تو آپ تاجکستان اور ازبکستان کس راستے سے جائیں گے کس طرح جائیں گے وہاں سے کس طرح بجلی لائیں گے، وہاں سے کس طرح گیس لائیں گے، ادھر سے کیسے ریلوے لائن وہاں تک پہنچائیں گے کسی طرح بھی یہ ممکن نہیں، تو پاکستان کی اپنی بقا اور ترقی کے لئے یہ ضروری ہے کہ افغانستان میں امن قائم ہو، افغانستان میں بیرونی مداخلت نہ ہو۔ سنتے ہیں کہ اب بھی پاکستان کی جانب سے ایران کی جانب سے سعودی عرب کی جانب سے مداخلت ہو رہی ہے۔ جناب والا! اب یہ کیا ہے کہ افغانستان کے لیڈروں کو سعودی عرب وہاں پر طلب

کرتا ہے اور کہتا ہے کہ آؤ بیٹھیں یہاں پر فیصلہ کرو۔ اب سعودی عرب کا کیا تھا اس میں، ابھی تک اس کی مداخلت جاری ہے۔ تو جب تک یہ بیرونی مداخلت بند نہ ہو جائے تو یہ کبھی بھی امن قائم نہ ہو گا، اب ہم محترم وزیراعظم صاحب سے پوچھتے ہیں کہ وہاں پر جا کر نفل تو پڑھتے تھے اب جا کر ان کی فاتحہ بھی پڑھو، ان پٹھانوں کی فاتحہ بھی پڑھو، نفل پڑھنے تو گئے، لیکن فاتحہ کے لئے بھی آپ جاؤ۔ تو یہ ہے کہ بعض باتیں ایسی ہیں کہ بہت افسوسناک ہیں۔

جناب والا! دوسرا مسئلہ جو ہے۔ وہ ہے ایٹمی پروگرام کا (یہ بھی ہماری خارجہ پالیسی کی کمزوری ہے) کہ ہم آج تک بیرونی دنیا کو اور خصوصاً امریکہ کو یہی باور اور یہی یقین نہ دلا سکے کہ ہمارا ایٹمی پروگرام جو ہے ہمارا non proliferation پروگرام جو ہے وہ پرامن ہے۔ آپ خود بھی، جناب والا! گئے ہیں کئی دفعہ آپ نے بیرونی دورے کئے لیکن یہ ہے کہ ہم دنیا کو ابھی تک یقین دلانے میں ناکام رہے ہیں تو اب جب کہ دنیا ایٹم بم تباہ کر رہی ہے جبکہ دنیا اپنے ایٹمی پروگرام جو ہیں ان کو ختم کر رہی ہے تو ہم ایٹم بنانے پر تل گئے ہیں۔ اور دنیا جو ہے ایٹمی پروگرام کی وجہ سے ہمارے ساتھ خصوصاً امریکہ کوئی بھی ہمارے ساتھ امداد نہیں کر رہا، امداد بند ہے اور ہم نج کاری کی پالیسی میں سارے سٹیٹ کے کارخانے جو ہیں وہ بیچ رہے ہیں تا کہ کچھ نہ کچھ آمدنی حاصل ہو اور اس سے ملک کا ڈھانچہ چلایا جا سکے۔ جناب والا! اسی ضمن میں ----

جناب چیئرمین : اب ذرا وائنڈ اپ کریں جی۔ وقت ہو گیا ہے۔

جناب شہزاد گل : کشمیر کا مسئلہ جناب والا! آپ نے جس طرح مندوخیل صاحب اور اس کو وقت دیا ہے ----

جناب چیئرمین : مندوخیل صاحب کو تو دیا ناں بطور لیڈر، ان کا ٹائم ہی زیادہ تھا۔

جناب شہزاد گل : وہ دوسرا تو لیڈر نہیں تھا ناں۔ میں گزارش کروں گا، مختصر کروں گا۔

جناب چیئرمین : وہ گنجائش آپ کو بھی ملے گی۔

جناب شہزاد گل : جناب والا! کشمیر کا مسئلہ آج جس طرح افغانستان میں جو کچھ ہوا اور جو کچھ ہو رہا ہے۔ یہی کچھ کشمیر میں ہو رہا ہے۔ یہ بھی بیرونی مداخلت ہے ہماری۔ اور ہم OIC میں جاتے ہیں کہ OIC نے ایک قرارداد کشمیر کے حق میں پاکستان کے موقف کی حمایت کی۔ لیکن وہی لوگ وہی لیڈر جو پاکستان میں آتے ہیں تو UNO کی قرارداد کی باتیں کرتے ہیں۔ لیکن جب وہ انڈیا جاتے ہیں تو وہاں وہ شملہ معاہدہ کی باتیں کرتے ہیں۔ کشمیری جو ہیں وہ آج کل قتل ہو رہے ہیں ان کے قتل کا ذمہ دار کل کون ہو گا۔ وہ اپنے لئے جو کچھ چاہتے ہیں آیا وہ پاکستان کے لئے چاہتے ہیں یا وہ third option کے طور پر اپنے لئے کشمیر کے لئے وہ لڑ رہے ہیں۔ یہ بات واضح ہونی چاہیئے آپ نے آزاد کشمیر اور شمالی علاقہ جات کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے۔ شمالی علاقہ جات جو ہیں وہ رو رہے ہیں چیخ رہے ہیں کہ بھائی ہمیں اپنے بنیادی حقوق تک نہیں مل رہے ہیں۔ کوئی نمائندگی ہماری نہیں ہے۔ کسی جگہ بھی، تو اب جب سارے کشمیر کے جو آئے گا تو ان کو دیکھتے ہوئے تو وہ کس طرح جناب والا! ہم پر یقین کر سکیں گے کہ پاکستان میں جب ہم شامل ہوں گے تو ہمیں یہ جمہوری حقوق حاصل ہوں گے ہمیں بنیادی حقوق حاصل ہوں گے ہماری وہاں پر صوبائی حیثیت جو ہے وہ ہو گی یعنی صوبائی خود مختاری ہمیں ملے گی، کبھی بھی نہیں ہو گا جس طرح ہم اپنے ملک کے اندر جو سلوک ہو رہا ہے وہ دیکھ رہے ہیں وہ سن رہے ہیں۔ تو کسی صورت میں بھی کشمیر کے لوگ جو ہیں وہ پاکستان کے ساتھ شمولیت اختیار نہیں کریں گے۔

جناب والا! ایک عجیب سی بات ہے کہ ابھی تک ہم سنتے تھے کہ روس جو ہے وہ کافر ہے۔ روس میں لادینیت ہے۔ وہاں پر مسجد نہیں ہے وہاں پر کوئی بھی مذہب نہیں ہے۔ قرآن نہیں ہے۔ مسلمان نہیں ہیں، سب کچھ لیکن جب روس کی فیڈریشن ٹوٹی جو نیشنلزم کی بنیاد پر ٹوٹی مذہب کی بنیاد پر نہیں۔ نیشنلزم کی بنیاد پر وہ ٹوٹی، تو تاجکستان، ازبکستان سب کو جب علیحدہ علیحدہ سٹیٹ بنے، اور انہوں نے مرکز سے علیحدگی اختیار کی، تو اب ہم دیکھ رہے ہیں کہ وہاں پر تو مسجدیں بھی ہیں وہاں پر اذانیں بھی ہو رہی ہین وہاں پر قرآن بھی پڑھا جا رہا ہے اور وہاں پر سب کچھ ہے۔ کل ہم یہ باتیں نہیں دیکھ رہے تھے۔ ہم میں

سے جو بھی وہاں پر جاتا تھا وہ کہتا تھا کہ روس میں کفر ہے۔ وہاں پر تو اسلام کا نام ہی نہیں ہے۔ لیکن آج وہاں سب کچھ ہے۔

دوسری طرف چین ہے، جناب والا! میں یہ بات واضح طورپر اس فلور پر کہتا ہوں کہ دوسری طرف چین ہے اور وہ مشرک ہے، بت پرست ہے، بدھ مت کے پیروکار ہیں۔ وہاں پر مسلمان بھی ہیں لیکن چین کے ساتھ ہماری دشمنی نہیں ہے۔ یہ کیسی بات ہے کہ اگر کمیونزم روس میں ہے تو یہ ہمارا دشمن ہے، اور کمیونسٹ چین بھی ہے لیکن یہ ہمارا اعتمادی دوست ہے۔ اب یہ اعتمادی دوستی اور دشمنی اس بنا پر نہیں ہے کہ کمیونسٹ ہیں، وہاں دونوں جگہوں پر کمیونزم ہے بلکہ یہ ہندوستان دشمنی پر مبنی ہے چونکہ روس ہندوستان کا دوست ہے، ان کے ساتھ ان کے bilateral معاہدے ہیں، ان کی ان حیساتھ مفاہمت ہے۔ تو ہم ہندوستان کی دشمنی کے باعث روس کو اپنا دشمن سمجھتے ہیں اور چونکہ چین اور ہندوستان کی بارڈر کی لڑائی ہے، ایک دوسرے کی مخالفت ہے، دشمنی ہے اس لئے ہم ہندوستان کے دشمن کو اپنا دوست سمجھتے ہیں اور اس کو اپنا اعتمادی سمجھتے ہیں۔ جناب ہم کیوں، اوروں کی دوستی اور دشمنی پر اپنی دوستی اور دشمنی کا انحصار کرتے ہیں۔ جناب والا! ہمارے لئے سب سے بہتر یہی ہے، ہماری اقتصادیات کے لئے بہتر یہی ہے، ہماری تجارتی پالیسی کے لئے ہمارے ملک کی بقا اور ترقی کے لئے بہتر یہی ہے اور ضروری ہے کہ ہمارے اور ہندوستان کے تعلقات بہتر ہوں اور جب تعلقات بہتر ہوں گے تو-----

ایک معزز رکن : پہلے کشمیر کا مسئلہ حل ہو۔

جناب شہزاد گل : کشمیر کا مسئلہ تو 45 سال سے چلا آرہا ہے، پہلے تو کشمیر کا مسئلہ تعلقات میں رکاوٹ نہیں بنا تھا۔ اب کیوں ان تعلقات کی بحالی میں کشمیر کا مسئلہ بیچ میں اڑ گیا ہے۔ اس لئے چاہیئے کہ ہم ہندوستان کے ساتھ بات چیت کے ذریعہ اچھے تعلقات قائم کرنے کی کوشش کریں، ایسا ہماری حکومت کو کرنا چاہیئے۔ صدر صاحب کو بھی اس طرف توجہ دینی چاہیئے۔

اب بابری مسجد کا مسئلہ بیچ میں آ گیا ہے۔ ہندوستان میں جو بابری مسجد شہید ہوئی، یہ کام غلط ہوا۔ اس پر ری ایکشن reaction بھی ہوا، یہ ری ایکشن باقی دنیا میں نہیں ہوا بلکہ پاکستان میں ہی ہوا ۔ لیکن جناب اگر آپ یہ دیکھیں کہ

ہندوستان بابری مسجد دوبارہ بناتا ہے تو یہ اس وجہ سے نہیں بناتا کہ پاکستان کے مسلمانوں نے یہاں پر ری ایکشن کیا ہے اور پاکستان کے مسلمانوں کو یہ بات بری لگی ہے بلکہ ہندوستان میں بھی اپنے طور پر بارہ کروڑ مسلمان ہیں اور بارہ کروڑ مسلمان ہندوستانی ہیں اور ان کے اپنے بنیادی حقوق ہیں - وہ اپنے طور پر، اپنے حقوق کے لئے ، اپنی مذہبی آزادی کے لئے، اپنی مذہبی عبادت گاہوں کے تحفظ کے لئے لڑ رہے ہیں اس لئے یہ مسئلہ ہمیں بیچ میں نہیں لانا چاہئیے، ہمیں ہندوستان کے ساتھ برابری کی بنیاد پر بیٹھ کر مفاہمت پیدا کرنی چاہئیے اور بات چیت کے ذریعے مسائل کو حل کرنے کی کوشش کرنی چاہئیے اور صرف کشمیر کے مسئلہ کو اس راہ میں نہیں اڑنے دیا جانا چاہئیے -

جناب والا! اب تو ہمارے محترم حافظ صاحب بھی آ گئے ہیں- میں عرض کرتا ہوں کہ پاکستان کا آئندہ کا جو سب سے بڑا مسئلہ ہے وہ fundamentalism ہے- اب تو آپ اس بات پر اڑ گئے ہیں ورنہ حافظ صاحب تو اجلاس کو آپ سے ملتوی کروانے والے تھے کہ چلو جا کر نماز پڑھیں-

جناب چیئرمین : اگر نماز ہو تو ضرور ملتوی کیا جائے گا-

جناب شہزاد گل : یہ ٹھیک ہے لیکن آج کل جو fundamentalists ہیں جس طرح سے وہ اپنی بات منوانے کے لئے ہر وقت لڑائی جھگڑے کے لئے، فساد کے لئے تیار ہو جاتے ہیں- یہ مسئلہ جو ہے----

جناب چیئرمین : نماز کے لئے سب تیار ہوتے ہیں، اس میں کوئی معاملہ نہیں ہے، آپ نماز کو بیچ میں کیوں لاتے ہیں-

جناب شہزاد گل: نہیں نہیں، میری بات یہ ہے کہ اب جیسے کہ انہوں نے کہا ہے شناختی کارڈ میں مذہب کا خانہ رکھا جائے ----

جناب چیئرمین : ہاں، وہ علیحدہ معاملہ ہے-

جناب شہزاد گل : اب حکومت اس پر جھک گئی ہے اور انہوں نے

کہا ہے کہ ٹھیک ہے کیونکہ مذہبی جماعتیں مطالبہ کر رہی ہیں۔ اسی طرح اسلامی نظریاتی کونسل کا معاملہ ہے۔ پارلیمنٹ کی موجودگی میں وہ dictate کر رہی ہے کہ یہ قانون ایسا ہو اور یہ قانون ایسا ہو، اس میں یہ ترمیم ہو اور اس میں یہ ترمیم ہو۔ اب جب اسلامی نظریاتی کونسل موجود ہے، فیڈرل شریعت کورٹ موجود ہے تو پھر پارلیمنٹ کی کیا ضرورت ہے۔ وہ سارے قوانین کو اسلام کے مطابق بنا کر ایک ایکٹ بنا لیں اور اسے حکومت کو بھیجیں اور حکومت انہیں آرڈیننس کے ذریعہ نافذ کر دے تو پھر پارلیمنٹ کی موجودگی کی کیا ضرورت ہے۔ پھر پارلیمنٹ کی کیا ضرورت ہے۔

جناب والا! اب اسی طرح پریشر آ رہا ہے کہ بنکنگ سسٹم کو ختم کرو۔ ان سب چیزوں کے لئے آئین میں مذہبی ------

جناب چیئرمین : آپ نے کافی وقت لے لیا ہے۔ آپ کا وقت تو لیڈروں سے بھی بڑھ گیا ہے۔

جناب شہزاد گل : جناب! صرف مختصراً عرض کرتا ہوں۔ یعنی وہ کوشش کر رہے ہیں کہ آئین میں ایسی ترامیم آ جائیں تا کہ ان کی بالا دستی ہو نہ کہ قوم کی بالادستی ہو۔ یہ مذہبی جماعتیں اپنے لئے اختیارات حاصل کرنے کے لئے قوم کو dictate کرنے کے لئے لگی ہوئی ہیں اور ملک میں ہر جگہ یہی نعرے چل رہے ہیں۔ کہیں سپاہ صحابہ ہے اور کہیں پاسبان والے ہیں۔ کہیں کچھ اور ہے۔

جناب والا! مہنگائی کے متعلق عرض کرتا ہوں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ صدر صاحب نے اس طرف اشارہ کیا ہے۔ اس سلسلے میں حکومت جو اعداد و شمار پیش کر رہی ہے وہ اصل صورتحال سے موافقت نہیں رکھتے ہیں یہ ایک حقیقت ہے، جناب والا! اس سلسلے میں آپ کو بھی معلوم ہے جو اعداد و شمار سرتاج عزیز دیتے ہیں ان سے ہم دنیا کو بتاتے ہیں کہ ہماری اتنی آمدن ہے، ہمارے فارن ڈیپازٹ جو ہیں وہ ایک ارب تک پہنچ گئے ہیں۔ لیکن عام آدمی کی حالت پوچھیں کہ اس کی کیا حالت ہے۔ وہ تو مہنگائی کی وجہ سے پریشان ہے۔ اب تو رمضان شروع ہو چکا ہے، اگر کوئی بازار جائے تو اسے پتہ چلے کہ کیا صورتحال ہے۔ لیکن وہ لوگ بازار میں تو نہیں جاتے ہیں۔ ان کو تو عام آدمی کی حالت کا پتہ

ہی نہیں ہوتا ہے۔ چور بازاری عام ہے۔ نج کاری کے بعد ذخیرہ اندوزی، چور بازاری اور ملاوٹ شروع ہو چکی ہوئی ہے اور ملک کی اقتصادی حالت ناگفتہ بہ ہے۔

جناب والا! روزگار کی بات کرتا ہوں۔ ہر شخص چاہتا ہے کہ اپنی صلاحیت کے مطابق اپنی تعلیمی صلاحیت سے فائدہ اٹھائے، اس کو بھی حکومت میں، انتظامیہ میں جگہ ملے، کہیں نوکری ملے لیکن ہم اسے ٹیکسی دے رہے ہیں۔ اب ایک شخص بی اے اور ایم اے اور آپ اسے کہیں کہ آؤ ٹیکسی لے لو اور ٹیکسی چلاؤ، اس طرح اب اس کی صلاحیتوں کا کیا بنے گا۔ اس نے تعلیم کس لئے حاصل کی تھی؟ کیا اس نے اس لئے حاصل کی تھی کہ وہ پڑھ کر ٹیکسی چلائے گا۔ تو جناب والا! یہ بھی کوئی اچھی پالیسی نہیں ہے۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ یہ جو بیت المال قائم ہوا ہے اورنج کاری سے کارخانوں کی فروخت کے بعد جو رقم حاصل ہوئی ہے اس سے کارخانے قائم کئے جاتے جس سے بے روزگار انسانوں کے لئے روزگار کے وسیلے پیدا کئے جاتے تا کہ وہ وہاں عزت کی روزی کما سکتے۔

جناب والا! ہمارے ایک دوست سید عباس شاہ صاحب نے شمال مغربی صوبے کا ذکر کیا ہے کہ یہ جو نام ہے یہ بہت بہتر نام ہے۔ اگر یہ بہتر ہے تو ہم یہ تجویز کرتے ہیں کہ اگر یہ شمال مغربی ہے تو پنجاب جو ہے یہ بجائے پنجاب کے -------

(مداخلت)

جناب شہزاد گل : شمال مشرقی اور سندھ جو ہے وہ جنوب مشرقی ہو اور بلوچستان شمال مشرقی ہو تو بس ٹھیک ہے کیونکہ وہ بھی سرحدی صوبے ہیں، سرحد بھی سرحدی صوبہ ہے سندھ بھی سرحدی صوبہ ہے بلوچستان بھی سرحدی صوبہ ہے۔ پاکستان تو چاروں طرف سے سرحد ہے۔ یا تو یہ پھر ان کے بھی نام نہ ہوں، سب سرحدی صوبے ہوں اور اگر ہیں تو پھر سرحدی صوبے کی بجائے ہمیں بھی نام دیں جس طرح کہ مندوخیل صاحب نے اور مٹہ صاحب نے کہا ہے جس کی انہوں نے کافی وضاحت کی ہے۔ جو بھی مناسب ہو جس سے پختون کی افغان کی شناخت ہو سکے ---

جناب چیئرمین : پھر ہزارہ والوں کا کیا بنے گا۔ میرا کیا بنے گا، میں تو ہزارہ کا ہوں۔

جناب شہزاد گل : آپ پٹھان ہیں، یعنی جو شخص بھی وہاں کا ہے۔

جناب چیئرمین : بیچ میں اس کو رکھیں گے۔

جناب عبدالرحیم خان مندوخیل : سب پختون ہیں۔

جناب چیئرمین : تو میں پختون ہوں۔

جناب شہزاد گل : وہاں پر تمام پارٹیوں کا متفقہ (مسلم لیگ کے بغیر) باقی سب کا یہی موقف ہے کہ جو شخص بھی سرحد کی زمین پر، پختون خواہ کی زمین پر رہ رہا ہے، خواہ وہ جو بھی زبان بولتا ہے جو روزگار بھی کرتا ہے، جس قبیلے سے، جس نسل سے، جس خاندان سے تعلق رکھتا ہے، ---

حافظ حسین احمد : تو جناب جو بلوچستان رہتا ہے۔

جناب چیئرمین : اس کا کیا ہو گا جی۔

جناب شہزاد گل : وہ بھی پشتون ہے ہم تو چاہتے ہیں کہ linguistic بنیاد پر ایک صوبہ بنے۔

جناب چیئرمین : وہ جو بشیر مٹہ صاحب نے کہا تھا کہ Harrid Dotes کی کتاب میں اس میں ہزارہ کا ذکر ہے یا نہیں۔ ہے اس میں؟ وہ کتاب میں ضرور دیکھوں گا۔

(مداخلت)

جناب شہزاد گل : ہزارہ افغانستان میں ہے۔ ہزارہ وہاں پر ہے۔

جناب چیئرمین : نہیں وہ اور ہزارہ ہے- یہ اور ہزارہ ہے- یہ ہندکو بولنے والے ہیں-

جناب عبدالرحیم خان مندوخیل: جو بلوچستان کا ہے وہ واقعی بلوچ ہے لیکن جو مسلط شدہ ہیں وہ پشتون علاقہ ہے- اس میں اور کوئی بلوچ نہیں ہے نہ وہ کوئی اور ہے، وہ پشتون ہے-

جناب شہزاد گل : ڈیرہ سٹی میں لوگ سرائیکی بولتے ہیں باقی تو سارا ڈیرہ پشتو سپیکنگ ہے- اسی طرح اب سندھ ہے، سندھ میں مہاجر آ گئے ہیں- وہ اب سندھی ہیں اگر اردو بولتے ہیں، وہ سندھی بولتے ہیں-

جناب چیئرمین : ایک چیز کی میں وضاحت کرنا چاہتا ہوں اور آپ سے پوچھنا بھی چاہتا ہوں کیونکہ آپ کی دلچسپی ہے- پنجاب کے لوگ پنجابی کہلاتے ہیں کیونکہ علاقے کا نام پنج آب یعنی پنجاب کا علاقہ- سندھ کے علاقے کا نام سندھ تھا وہاں کے لوگوں کوسندھی کہنا شروع کر دیا آپ کہہ رہے ہیں نہیں- کیونکہ پختون بستے ہیں اس لئے علاقے کا نام پختون کردیا جائے یہ فرق آ گیا ناں- ہسٹاریکلی علاقے کا نام کیا تھا-

جناب شہزاد گل : یہی ہے- علاقے کا نام پختون خواہ تو ہے ناں-

جناب عبدالرحیم خان مندوخیل: پوائنٹ آف آرڈر- جناب والا! اگر اجازت ہو تو یہ ہے کہ قوموں کا نام کبھی علاقے سے بنتا ہے کبھی ایک خاص ٹرائبل خاص کلچر کو---

جناب چیئرمین : ٹرائبل تو بعد میں آتا ہے علاقہ تو پہلے ہوتا ہے-

جناب عبدالرحیم خان مندوخیل: جناب والا! ایسے تو بہت سے علاقے ہیں- عرب ایک قوم ہیں- اب تمام زمین عربستان ہے-

جناب چیئرمین : کہاں جی کوئی بغداد ہے، کوئی شام ہے، کوئی مصر ہے۔

جناب عبدالرحیم خان مندوخیل: بغداد اس میں علاقہ ہے۔ مصر بذات خود-----

جناب چیئرمین : یہاں پاکستان میں آپ دیکھیں کہ علاقے پہلے بنے۔ پنجاب کا علاقہ ایک علاقہ ہے۔ سندھ کا علاقہ ایک علاقہ ہے۔ بلوچستان کا ۔مجھے پتہ نہیں، حافظ صاحب بتائیں گے، لیکن باقی علاقے ہیں۔

جناب عبدالرحیم خان مندوخیل : ہر جگہ ایسا ہے۔ بعض اوقات علاقے سے نام بنتا ہے بعض اوقات اس ٹرائیل سے----

جناب چیئرمین : ٹرائبل تو بعد میں آتا ہے علاقہ تو پہلے ہوتا ہے۔

جناب بشیر احمد مٹہ : اس کے بعد مجھے اجازت دیں تو میں آپ کو بریفنگ دوں گا۔

جناب چیئرمین : وہ لمبی بات ہو گی کتاب مجھے دے دیں۔ یہ ختم کر لیں پھر آپ کو دیتے ہیں۔

جناب شہزاد گل : دو منٹ میں ختم کر رہا ہوں آخری بات۔ جناب والا! چونکہ وہ شروع میں مجھ سے رہ گئی تھی صدر صاحب نے پارلیمنٹ کی کارگزاری پر کچھ نہ کچھ اطمینان ظاہر کیا ہے اور صرف کورم کی شکایت کی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ کورم کا مسئلہ اسمبلی تک محدود ہے۔ یہاں سینٹ میں کبھی بھی کورم کا مسئلہ نہیں ہوا۔ ہاں یہ ہے کہ وزراء صاحبان ادھر حاضری دیتے ہیں نہ ادھر آتے ہیں۔ 50 سے زیادہ ٹیم ہے اگر وہ ہاؤس میں آئیں اور بیٹھیں تو یقیناً کورم جو ہے وہ کبھی نہیں ٹوٹے گا باقی جو ممبران ہیں ان کے پاس درخواستیں ہوتی ہیں۔ وہ وزیروں کے پیچھے دوڑتے ہیں اور ان سے اپنی درخواستوں پر دستخط کرواتے ہیں جب وزراء پارلیمنٹ کے اندر ہوں گے۔ ممبران بھی ہوں گے اور پھر باری باری جا کر ان سے دستخط کروائیں گے تو کورم کبھی نہیں ٹوٹے گا لیکن ایک بات اور جس کا صدر صاحب نے اشارہ نہیں کیا۔ میں

گزارش کرتا ہوں کہ کنکرنٹ لسٹ کے متعلق بل جو ہیں وہ سینٹ میں انٹروڈیوس ہو سکتے ہیں۔

جناب چیئرمین : اب تو ہر بل ہو سکتا ہے۔ اس وقت ہر بل انٹروڈیوس ہو سکتا ہے کوئی کنکرنٹ یا فیڈرل کوئی بھی ہو۔

جناب شہزاد گل : پھر آپ خود ہاؤس کے کسٹوڈین کے طور پر جانتے ہیں کہ سینٹ میں بلوں پر زیادہ سنجیدگی کے ساتھ اور زیادہ سوچ بچار کے ساتھ زیادہ گہرائی کے ساتھ غور ہوتا ہے۔ اسمبلی میں سیاسی باتیں زیادہ ہوتی ہیں قانون سازی کی طرف کم توجہ دی جاتی ہے لہٰذا وہاں سے جو بل بھی پاس ہوتا ہے اور ٹرانسمٹ ہو کر سینٹ میں آتا ہے تو پھر یہاں پر وزراء صاحبان کہتے ہیں کہ اس میں ہم ترمیم قبول نہیں کرتے یہاں تک کہ سٹینڈنگ کمیٹی میں بھیجنے کی ترمیم بھی قبول نہیں کرتے یعنی رائے عامہ معلوم کرنے کے لئے مشتہر کرنے کی ترمیم بھی قبول نہیں کرتے۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی بھی ترمیم قبول کی جائے تو پھر بل جو ہے وہ جائنٹ سٹنگ میں جائے گا۔ اب جائنٹ سٹنگ کے لئے اب تک رولز نہیں بنے۔ کوئی رول نہیں ہے اگر ترمیم یہاں پر ہو یا وہاں پر ہو یا 90 دن میں کوئی بل پاس نہ ہو جائے تو پھر وہ جائنٹ سٹنگ میں جائے گا۔ جائنٹ سٹنگ کے لئے کوئی طریقہ کار ہی نہیں ہے۔ وہاں پر قانون سازی کس طرح ہو گی۔

جناب چیئرمین : جائنٹ سٹنگ رولز ہیں۔

جناب شہزاد گل : پورے نہیں ہیں۔ چاہیئے یہ کہ صدر صاحب اس طرف حکومت کی توجہ دلاتے کہ اس طرح کا طریقہ کار وضع کرو۔ پھر وزارتوں کو یہ چاہیئے تھا کہ جس بل میں ترمیم ہو جائے وہ بل جائنٹ سٹنگ میں لے جائیں اور وہاں پیش کریں اور جائنٹ سٹنگ کا اجلاس بلائیں تا کہ وہاں قانون سازی ہو سکے۔ جناب والا! پھر وزراء صاحبان یہاں کہتے ہیں کہ آپ اس وقت اپنی ترمیم پریس نہ کریں۔ اس بل میں جو خامی یا کمی ہے وہ پھر ہم amended بل لائیں گے اور اس دوران میں ہم آرڈیننس کر دیں گے۔ آرڈیننس ہو جاتا ہے اور بعد میں وہ امنڈڈ بل آتا ہے۔ اس کی بجائے اگر یہ ہو کہ ترمیم وہ قبول کر لیں اور جائنٹ سٹنگ میں وہ بل جائے اور پاس ہو جائے تو آرڈیننس کی ضرورت پیش نہیں آئے

گی اور آرڈیننس کے ذریعے قانون سازی کی نوبت نہ آئے گی۔ خود صدر صاحب نے بھی حوصلہ افزائی نہیں کی۔ صدر تو مجبور ہے حکومت کی ایڈوائس پر وہ ضرور آرڈیننس جاری کرے گا لیکن بدنامی صدر کی ہوتی ہے۔ حکومت کی نہیں ہوتی کہ صدر آرڈیننس جاری کر رہا ہے۔ صدر نے آرڈیننس جاری کیا۔ صدر صاحب کو آرڈیننس فیکٹری چلانے کی بجائے جائنٹ سٹنگ کے لئے پوری طرح طریقہ کار وضع کرنے کی ہدایت کرنی چاہیئے۔ پھر اسی طرح قانون سازی ہو گی۔

جناب والا! ایک بات صرف ایک جملے میں ہم چاہتے ہیں کہ آٹھویں ترمیم کے متعلق صدر اور وزیراعظم کے اختیارات کے مابین توازن ہو کیونکہ آٹھویں ترمیم سے پہلے وزیراعظم کے پاس زیادہ اختیارات ہوتے تھے اور ہم اس کی سزا بھگت چکے ہیں۔ فروری 1973ء میں بلوچستان میں مینگل کی دو تہائی اکثریت تھی 21 میں سے 14 ممبران تھے اور وزیراعظم صاحب نے حکومت ڈسمس کر دی۔ سرحد کی حکومت میں بھی اکثریت تھی تو سرحد کی حکومت نے بھی استعفیٰ دے دیا۔ تو وزیر اعظم کے اختیارات کی سزا ہم بھگت چکے ہیں اس طرح وزیراعظم کے ہاتھ میں بھی ننگی تلوار نہیں دینی چاہیئے۔ اسی طرح صدر صاحب کے پاس ننگی تلوار نہ ہو۔ اس کے لئے کوئی ایسا طریقہ کار ہو جو پارلیمنٹ کے ممبران، سیاسی پارٹیوں کے لیڈر اس پر متفق ہوں اس طرح کا کوئی طریقہ کار ہو کہ ان کے اختیارات میں توازن ہو اور ملک میں مارشل لاء نافذ کئے جانے کا خطرہ نہ رہے تو انشاء اللہ ملک میں خوشحالی ہو گی۔ ملک ترقی کرے گا اور ہم صدر صاحب کا جو بھی انہوں نے تقریر کی ہے باقی مسائل پر انہوں نے کافی روشنی ڈالی ہے (بغیر اس کے کہ انہوں نے افغانستان کی لڑائی کو جہاد کہا ہے فساد نہیں کہا ہے) ہم اس کی تقریر کے لئے مشکور ہیں اور جو قرارداد پیش کی ہے اس کی تائید کرتے ہیں۔

جناب چیئرمین : شکریہ، جی حافظ صاحب۔

حافظ حسین احمد : پوائنٹ آف آرڈر۔ جناب چیئرمین صاحب! بات اختیارات کی ہو رہی تھی۔ ہمارے پارلیمنٹ میں بھی کبھی اختیارات کی بات گردش کرتی ہے۔ میں آپ کے حکم کے مطابق گیا اور نماز پڑھی۔ یقیناً آپ نے سچ فرمایا تھا کہ آپ نے اذان بند نہیں کی ہے لیکن مجھے حیرت ہوئی۔ میں نے وہاں موذن اور امام صاحب سے پتہ کیا تو انہوں نے کہا یہ مسجد براہ راست نیشنل اسمبلی کے

اختیار میں ہے---

جناب چیئرمین : چلیں جی یہ نئی بات ہوئی۔

حافظ حسین احمد : میں گزارش کرتا ہوں یہ نئی بات ہے۔ انہوں نے کہا جب بھی وہ ہمیں مائیک کھول کر دے دیتے ہیں۔ اس میں اذان دے دیں تو پھر وہ ایوانوں میں سنائی دیتی ہے۔ ہم اس خوش فہمی میں تھے کہ جب یہاں پر اذان کی آوار سنائی دیتی ہے تو اس وقت نیشنل اسمبلی اور ہمارا سیشن اکٹھا ہوتا تھا۔

جناب چیئرمین : بنیادی سوال تو یہ ہو گیا یہ نماز جو ہوتی ہے سوا ایک بجے ہوتی ہے، تو آپ کیا چاہیں گے کہ سوا ایک بجے وقفہ کر لیا جائے۔ یا کارروائی چلے جس نے نماز پڑھنی ہے پڑھ لے۔ اعلان کر دیا جائے کہ یہ نماز کا وقت ہے جو آپ فیصلہ کریں۔

حافظ حسین احمد : یہ وضاحت کریں کہ وہ جو تالا ہے اس کی چابی سینٹ کے پاس ہے یا -----

جناب چیئرمین : چلیں جی اس کو چھوڑیں ناں۔ اس مسجد کے مسئلے کو لیکن نماز کا مسئلہ جو اہم ہے اس کے بارے میں آپ سوچ کر مجھے بتا دیں۔ اس کے دو طریقے ہیں----

حافظ حسین احمد : وہ سوچنے کی بات نہیں ہے وہ کرنے کی بات ہے۔

جناب چیئرمین : کر لیں۔ ایک تو یہ ہے ہم وقفہ کر لیا کریں۔ دوسرا یہ ہے کہ اعلان کر لیا کریں۔ جس نے نماز پڑھنی ہے جا کر پڑھ لیا کرے۔

آوازیں : سب پڑھیں گے جی۔

جناب چیئرمین : ٹھیک ہے جی۔ تیسرا یہ ہے۔ میرا خیال ہے یہ مناسب رہے گا۔ نماز کا بندوبست ہم یہاں باہر کر لیں تا کہ ڈیڑھ بجے نماز پڑھی

اور فوراً واپس آ گئے۔ مسجد میں پھر ذرا وقت لگتا ہے یہاں پر کر لیں۔

ڈاکٹر محمد ریحان : آرڈر آف دی ڈے جو آ جاتا ہے اس میں ظہر کی نماز کا وقت درج ہونا چاہیئے۔ تو آسانی رہے گی۔

جناب چیئرمین : بہرحال یہ کل کر لیں ص۔ مٹہ صاحب آپ کچھ فرمانا چاہ رہے تھے۔

جناب بشیر احمد مٹہ : میں عرض کرنا چاہ رہا تھا کہ کبھی علاقے کا نام دریا یا پہاڑ کے نام سے منسوب ہو جاتا تھا کبھی قوموں سے منسوب ہو جاتا ہے----

جناب چیئرمین : مجھے پہلے کہنے دیں کہ میں وضاحت کروں کہ پنجاب ایک علاقہ ہے اس کے علاقے کے لوگوں کا نام جو بھی وہاں پر آیا اس کو پنجابی کہنا شروع کر دیا یعنی آپ جس طرح کہہ رہے ہیں پنجابیوں کے پنجاب کے پاس کہ فلاں کے پاس فلاں وہ بات نہیں ہے سندھ ایک علاقہ تھا اور ہند، یعنی سندھ کا نام دریائے سندھ سے پڑا ہے----

جناب بشیر احمد مٹہ : آپ میری گزارش سنیں میں آپ کی بات سمجھ گیا ہوں۔ یہ سندھ کا نام ہند سے پڑا ہے اور وہ بھی Asian Tribes آئے تھے ان کے ایک گروپ کا نام تھا۔ تو یہ دریا کو ٹرانسفر ہو گیا اور پھر دریا سے land کو تو، it is you see just like the case of chicken and egg. اس کو آپ trace کریں گے تو دونوں ملیں گے۔ یہاں پر یہ ایک specific بات ہے کہ دو تو آپ نے کر دیئے چلیں geographic بات ہے پنجاب اور سندھ کے، تو بلوچستان کا اگر قومی نام ہے تو ایک اور بھی قومی نام سہی ------

(مداخلت)

جناب چیئرمین : چلیں فصیح صاحب بتائیں گے کہ بلوچ نام کیسے پڑا؟

جناب بشیر احمد مٹہ : جناب بلوچ قوم ہے----

جناب چیئرمین : نہیں بلوچ قوم ہے لیکن علاقے کا نام کیسے پڑا بلوچستان۔

جناب بشیر احمد مٹہ : اچھا جناب دوسری عرض یہ کہ انگلینڈ، ترکی کا نام جو ہے قوم پر ہے ابھی 15ویں صدی میں وہاں گئے ہیں ترکس تو ترکی ہو گیا ہے۔ ایران جو تھا وہArian tribes سے ایران ہو گیا۔ پہلے پتہ نہیں اس کا کیا نام تھا۔ اسی طرح جو انگلینڈ ہے English tribes جو تھے۔

(مداخلت)

جناب عبدالرحیم خان مندوخیل : یعنی ایک اصول ہے کہ اگر وہ نام پنجاب سے ہوا ہے لیکن اب یہ قوم کا نام ہے۔ اصل چیز یہ ہے -----

جناب چیئرمین : جی محمد علی خان۔

جناب محمد علی خان : جناب چیئرمین! ذکر سرحد کے نام کا ہو رہا ہے۔ سرحد کا پرانا نام گندھارا ہے۔ اور اس کی سرحدات اب اسلام آباد سے بھی آگے چلے گئے ہیں۔ یہ ایریا بھی اسی میں شامل ہے اور اسی وجہ سے افغانستان میں ایک صوبے کا نام قندھار رکھا گیا۔ تو اگر نام پرانا رکھا جائے تو گندھارا رکھا جائے۔

جناب چیئرمین: فصیح صاحب یہ بلوچستان کا نام کیسے ہوا جی؟

سید فصیح اقبال : سر یہ بلوچ ایک ایسی قوم تھی جس کے ایرانی بلوچستان کے کوئی پانچ صوبے ہیں۔ اور ان کا ایک گورنر جنرل ہے۔ زابن ایک صوبہ ہے بمپور، یہ بلوچوں کے، لیکن یہ جو بلوچستان دیا گیا ہے یہ ایک افغان پختون نے نام دیا ہے۔

جناب چیئرمین : ہسٹاریکلی اس کا نام کیا ہے۔

سید فصیح اقبال : تاریخی نام اس کا بلوچستان ہے۔ یہ علاقہ بلوچستان

کا ادھر کہلاتا تھا اور ایک divided line تھی۔

جناب چیئرمین : تو پھر آپ یہ کس طرح کہہ رہے ہیں کہ بلوچ ایک بہت بڑی قوم ہے۔

سید فصیح اقبال : جناب بلوچ ایک بہت بڑی قوم ہے۔ اس میں بہت سے قبیلے ہیں لیکن بلوچ کہلاتے ہیں۔ ہمارے ہاں بلوچ میں کافی تکالیف ہیں اگر مری، بلوچ ہیں لیکن مری اپنے آپ کو قوم بھی کہتے ہیں۔ بگٹی اگرچہ بلوچ ہیں لیکن وہ اپنے کو قوم بھی کہتے ہیں۔ اور ان کی جو چھوٹی چھوٹی شاخیں ہیں ان کا قدرتی طور پر تین ہزار سال سے ایک سسٹم ہے کہ ایک ان تمام میں زیادہ جمہوریت ہے۔ اس وجہ سے کہ ان کے ہاں وہ سسٹم نہیں ہے جو بلوچوں میں ہے۔

انجینئر سید محمد فضل آغا : جی گزارش یہ ہے کہ جیسے کہا گیا ہے کہ پشتونوں میں بھی مختلف قومیں ہیں، پنجابیوں اور سندھیوں میں بھی مختلف قومیں ہیں۔ یہ اصل میں زبان کا نام ہے اور یہ زبان کے پیچھے سارے پشتو بولنے والے سارے پشتون کہلائے۔ بلوچی بولنے والے سارے بلوچ کہلائے ------

جناب چیئرمین : بلوچستان کا تاریخی نام کیا ہے؟

انجینئر سید محمد فضل آغا : اس کا کچھ ایریاز میں نام تو شالکوٹ کہا جاتا تھا، کوئٹہ اور اس کے مضافات کو شالکوٹ کہتے تھے۔

(مداخلت)

سید فصیح اقبال : میں یہ کہنا چاہتا تھا کہ ہمارا جو اس وقت مستونگ ہے جو ہیڈکوارٹرز ہے یہاں تک ایران کی حکومت تھی۔ یہ پورا ایرانی سیستان اور ایرانی بلوچستان کہلاتا تھا۔ لیکن جب 415 سال پہلے سیوا کی حکومت ختم ہوئی تو براہوی کی حکومت آئی جس کا خان قلات ہے۔ یہ جیکب آباد بھی اس وقت جو انگریزوں نے لیا یہ خان گڑھ کہلاتا تھا۔ لیکن اس سے پہلے یہ افغانستان کے حصے میں تھا ویسے اس کا نام بلوچستان رہا ہے۔

(مداخلت)

جناب عبدالرحیم خان مندوخیل: گدروزیہ یقیناً اس کا نام تھا، ایک بات یاد رکھیں کہ گدروزیہ یا بلوچستان کے معنی ہیں کہ جو ہماری پشتونخواہ کی زمین نکال کر یعنی قلات اور مکران کا علاقہ نکال کر، یہ اس کا گدروزیہ نام تھا۔ پھر اس کے بعد اس میں مختلف نام آئے۔ یہ بہت بعد میں بلوچ نیشنلٹی آئی۔ تو اس کے بعد اس کا نام بلوچستان رکھا گیا۔

جناب چیئرمین : یہ شروع میں جو گدروزیہ یا سیستان یا کوئٹہ-----

(مداخلت)

جناب عبدالرحیم خان مندوخیل: جناب شالکوٹ جو ہے اور یہ علاقہ جو ہے جیسے قندھار آپ نے فرمایا، اس کا پرانا نام "زخر" عربی میں کہتے تھے ازحستان، یعنی یہ پرانا نام ہے۔ اب بھی وہاں ایک علاقہ ہے اس کا یہ نام ہے لیکن یہ قندھار کا پارٹ ہے لیکن قوم کے حساب سے اس کا نام افغانستان تھا۔ 1251ء میں ہرات نام سیفی نے لکھا ہے اس میں اس نے واضح لکھا ہے کہ افغانستان جس کا ایک مرکز مستونگ ہے۔ اس طرح درجہ بدرجہ آتے ہوئے آج تک یہ اس کی زمین تھی۔ یہ گنڈھک کے معاہدے میں مئی 1879ء میں افغانستان سے یہ زمین لی گئی یہ انگریزوں نے زیادتی کی اس کا نام بھی برٹش بلوچستان رکھ دیا یہ چیز غلط ہے۔ باقی بلوچستان اپنے بلوچ کے نام سے ہے، تو مطلب یہ ہے کہ جناب زمین کے نام سے قوم کا نام بن سکتا ہے۔ قوم کے نام سے زمین جیسے تاجکستان وغیرہ ہے۔

جناب فتح محمد خان : جناب جیسے آپ نے کہا کہ یہ ہزارہ والے اور ڈیرہ اسمعیل خان یہ سارے پختون ہیں جی۔ ان میں کوئی فرق نہیں۔

جناب چیئرمین : یعنی nationally پختون ہیں لیکن زبان فرق ہو گیا۔

جناب فتح محمد خان : نہیں جی زبان کی بات تو نہیں ہے، جی قبیلہ،

قوم ایک ہے ویسے ہمارے سوات کے جتنے ہیں وہ مانسہرہ میں آباد ہیں اور وہ اپنے آپ کو ابھی بھی سواتی کہتے ہیں۔ وہاں پر دلازاک قبیلہ ہے جو جدون اور کئی قبیلے ہیں اسی طرح ڈیرہ اسمٰعیل خان میں بھی سارے پختون آباد ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ یہ جو نام شمال مغربی سرحدی صوبہ یہ انگریزوں نے رکھا ہوا تھا۔ اور اس کی وجہ یہ تھی کہ وہاں سے کافی علاقہ ان سے آزاد تھا۔ اس لئے انہوں نے اس آزاد علاقے کی وجہ سے آدھا سا نام دیا جو ملک کے اندر بھی نہیں تھا اور باہر بھی نہیں تھا۔ آپ اگر پختون کے نام سے ڈرتے ہیں تو کوئی اور نام اس کا رکھ دیں یہ جیسے گندھارا یا اور جو مناسب ہو رکھ لیں۔ لیکن یہ کوئی نام نہیں ہے۔

سید فصیح اقبال: پانی پت کی تیسری لڑائی میں بلوچ قبائل لڑنے گئے اور نصیر خان نوری جو بلوچ تاریخ میں بہت بڑا ہے اس میں جو جو خان بلوچ کی مہر لگائی گئی یہ ابھی latest history ہے، 17ویں 18ویں صدی کے اوائل میں، وہ جب مغلوں کے کہنے پر وہاں ٹھہرا اور settle ہوا، پٹھانوں کی سپورٹ میں ہمارے قبائل وہاں settle ہوئے یہ جہاں کا شیر شاہ سوری ہے بہار میں ایک سیر سرام جہاں وہ شیر خان پیدا ہوا۔ اور آخری لڑائی میں بگٹی، مری ، مزاری، مرہٹے لے آئے لیکن کچھ مرہٹے مسلمان ہو گئے اور کچھ مس ہو گئے لیکن صرف بگٹیوں میں ابھی تک مرہٹ بگٹی ایک قبیلہ ہے جو اسی وقت کا لیا ہوا ہے۔ اس لئے نصیر خان نوری نے خان بلوچ کی مہر لگائی جبکہ براہوی density کا وہاں سب سے بڑا حکمران تھا۔ اب اس کے خان اور کابل کے حکمرانوں سے دوستانہ تھا۔

جناب چیئرمین : جی محمد علی خان صاحب۔

جناب محمد علی خان : جناب میں اتفاق نہیں کرتا ہوں ان کے کہنے سے جہاں خیل لفظ استعمال ہو یا زئی وہ پختون ہوتا ہے تو خان قلات پختون تھا۔ احمد زئی پختون ہوتا ہے لیکن انہوں نے بعد میں چونکہ جن پر رول انہوں نے کرنا تھا۔ یعنی بلوچ قبائل تو ان کے ساتھ انہوں نے assimilation کی اور 90 فیصد بلوچ سردار جو ہیں۔ وہ پختون ہیں۔ لیکن بعد میں انہوں نے اپنے آپ کو ان کے قریب کیا تا کہ یہ ہماری سرداری مان لیں۔ اصل میں یعنی جب یہ سارے گئے۔ پانی پت کی تیسری لڑائی میں توان کے جو بینرز تھے جھنڈے تھے وہ بھی پختونوں کے جھنڈے تھے۔ ان کی زبان اس وقت پشتو تھی خود میرے جدامجد فتح خان وہاں

گئے۔ اپنی تلوار سے راؤ بھا کے لڑکے کو قتل کیا آدھا جھالر اس کا ساتھ لائے اس کے ہاتھی کا اور آدھا جھالر ہاتھی جو بھاگ گیا۔ گائیکواڑ اس میں کیا کہتے ہیں کیمپ میں۔ آج بھی وہ آدھا جھالر ہاتھی کا گائیکواڑ کے میوزیم میں پڑی ہوئی ہے اور ہم بھی ساتھ مرہٹے لے آئے تھے آج بھی "ہوتی" میں محلے ہیں جن کو کہتے ہیں محلہ غلامان اور جس گاؤں اس دن وزیراعظم صاحب تشریف لے گئے تھے مردان۔ تو میری والدہ کی طرف سے نواب طورو کی سائڈ سے جو اپنے ساتھ غلام لائے تھے ان کے لئے انہوں نے گاؤں آباد کیا جسے آج تک مرہٹے کہتے ہیں۔ تو اسی مرہٹے گاؤں ہمارے وزیراعظم صاحب اس دن تشریف لے گئے تھے تو یہ سارے جو تھے قبیلے اس کے بلوچستان کے 90 فیصد پختون ہیں۔

جناب چیئرمین : جی جناب ڈاکٹر ریحان صاحب۔

ڈاکٹر محمد ریحان : یہ ذکر آیا جی کہ ہزارہ والے کو کیا سمجھتے ہیں۔ نہ صرف یہ ہے ہم انہیں پختون سمجھتے ہیں۔ بلکہ سب کو پرانے پختون سمجھتے ہیں۔ یہ نہیں کہ سندھ کی طرح نئے سندھی اور پرانے سندھی۔ بلکہ پختون سارے پرانے پختون ہیں جی۔

(مداخلت)

جناب چیئرمین : جی جناب شہزاد گل صاحب۔

(مداخلت)

جناب چیئرمین : دیکھیں ناں وہ ہزارہ والا نہیں مان رہا۔

جناب شہزاد گل : وہ جناب والا! جس طرح کہ فتح محمد خان نے بات کی۔ انگریز اپنی قوم کو بتانا چاہتا تھا کہ انگریز کی سارے ہندوستان پر اس کی حکومت تھی۔ اور یہ مقولہ مشہور ہے کہ ساری دنیا میں انگریزکی حکمرانی میں سورج نہیں ڈوبتا تھا۔ ہر جگہ انگریز کی یعنی ساری دنیا میں اس کو حکومت پھیلی ہوئی تھی۔ لیکن یہ صرف شمال مغربی سرحدی صوبہ جو ہے یہی جگہ جو ہے یہاں پر انگریز کا

بارڈر جو تھا- وہ روس کے ساتھ بالمقابل تھا- کسی بھی جگہ انگریز روس کے مقابل نہیں تھا ماسوائے اس بارڈر کے اور انگریز نے اس لئے شمال مغربی سرحدی صوبہ نام رکھا تا کہ انگریز قوم کو وہ بتائے کہ یہ ہے تمہارا بارڈر اس طرف ایک دوسری سپر پاور ہے اور دوسری ایک ایسی قوم ہے جو تمہاری دشمن ہے، نظریاتی طور پر اور قوت کے لحاظ سے بھی - اس وجہ سے انگریز نے اس جگہ کا شمال مغربی سرحدی صوبہ نام رکھا- اسی طرح وہ جنوب مشرقی سرحدی صوبہ جو ہے آج کل ہندوستان نے اس کا نام اروناچل پردیس رکھا ہے، وہاں پر اس کی بارڈر چین کے ساتھ ملتی تھی، برما کے بعد ناگا لینڈ-----

جناب چیئرمین : نیفا، نارتھ ایسٹ فرنٹیئر ایجنسی-

جناب شہزاد گل : جی، یہی نیفا والا صوبہ، جی یہ بارڈر پر تھا چونکہ چین کے ساتھ نظریاتی اختلاف تھا، ایک سپر پاور تھی، ایک مضبوط حکومت تھی تو یہاں پر جب اس کا بارڈر اس کے ساتھ ملتا تھا تو اسے بھی سرحدی کہا گیا- باقی کسی جگہ کو اس نے سرحدی کا نام نہیں دیا تو یہ نام جو ہے انگریز نے اس وجہ سے رکھا تھا- باقی افغانستان میں دو صوبے ایسے ہیں پکتیا اور پکتی کا ---- جو پختون نام ہے، یہ اس کی مناسبت سے ہے وہاں پر یہ اب بھی ہے، یعنی پکتیا صوبہ ہے، اس کے ساتھ لگا ہوا ہے- آپ اخبارات میں پڑھتے رہتے ہیں، افغانستان کی جنگ کے دوران پکتیا اور پکتی کا، دونوں کے نام اخبارات میں آتے رہے ہیں-

جناب والا! آپ تاریخ جاننا چاہتے ہیں تو میں عرض کرتا ہوں کہ آریوں کے بعد، اس سرحد کے علاقے میں دلازاک قوم آباد تھی ہمارا مردان اور صوابی جتنا ایریا ہے، سوات تک یہاں دلازاک قوم آباد تھی- جب یوسف زئی نے احمد خان کی سربراہی میں حملہ کیا، افغانستان سے اور یہاں پر انہوں نے دلازاک قوم کو شکست دی اور اس کو دریائے سندھ پار کرنے پر مجبور کیا اس پار دھکیل دیا- اب اٹک کو جو ضلع ہے وہاں پر دلازاک آباد ہیں- سرحد میں بھی ایک دو جگہ پر دلازاک کے گاؤں ہیں، پشاور میں، لیکن دلازاک جو باقی ساری قوم تھی وہ پنجاب آ گئی اور اس علاقے پر یوسف زئیوں نے قبضہ کر لیا- تو یوسف زئی جو ہیں وہ شروع سے افغان ہیں، افغانوں کی نسل ہیں- اس بارے میں بہت لمبی تاریخ ہے لیکن جناب حقیقت میں یہ علاقہ جو ہے یہ پہلے گندھارا تھا، اس کے بعد پشتونوں

کا علاقہ ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ ہمارا نام ہو ایسا نام ہو کہ جس سے پشتون کی شناخت ہو سکے۔

جناب چیئرمین : اب ہاؤس کو ایڈجرن کیا جاتا ہے۔ جی فرمایئے۔

حافظ حسین احمد : جہاں تک صوبوں کا تعلق ہے، میں سمجھتا ہوں کہ یہ کسی قومیت کے نام پر نہیں ہیں بلکہ یہ ایک انتظامی تقسیم ہے اور میں اس بارے میں عرض کروں گا کہ جہاں تک حقوق کی بات ہے، ہم یہاں پر صوبائی حقوق کو ڈسکس کرتے ہیں اور کسی صوبے میں مختلف قومیں بھی آباد ہو سکتی ہیں، اور وجہ تسمیہ کے لئے شرط ضروری نہیں۔ جس طرح اسلام آباد ہے اس میں کیا چیز آباد ہے۔ مسلمان آباد ہیں لیکن نام انہوں نے اسلام آباد رکھا ہے۔ اور اس طرح جہاں تک قیام پاکستان سے پہلے کی بات ہے مختلف ریاستیں تھیں، ریاست قلات، ریاست خاران، ریاست مکران اور ریاست لسبیلہ، یہ تمام چھوٹی چھوٹی ریاستیں تھیں اور بلوچستان آج بھی جس طرح سے فصیح صاحب نے کہا ایرانی بلوچستان ہے اور ہمارے بلوچستان کا بھی کچھ حصہ بھی اس بلوچستان کے حوالے سے بلوچستان کہلاتا تھا۔ اس کے بعد جو تقسیم ہوئی تواس میں جالوان بھی ایک علاقہ تھا یعنی نچلے علاقے کو جالوان کہا جاتا تھا اور اوپر کے علاقے کو سلاوان کہا جاتا تھا۔ اس حوالے سے جہاں بلوچ آباد تھے اس کو بلوچستان کہا جاتا تھا اور قیام پاکستان کے بعد جب بلوچستان بنا تو اس وقت بھی ریاست اس میں شامل نہیں تھی اس کے بعد ریاستوں کو اس میں شامل کیا گیا اور اس کے بعد اس تمام کا نام بلوچستان بنایا گیا۔ تو میں سمجھتا ہوں کہ پاکستانی قومیت بھی کوئی چیز ہے۔ اس کے بارے میں اگر کوئی بات ہو جائے تو ٹھیک ہے۔

جناب چیئرمین : بالکل صحیح ہے۔

(قہقہے)

جناب عبدالرحیم خان مندوخیل : جناب اسی وضاحت سے ہمارا اختلاف ہے۔

جناب چیئرمین : بہرحال جی، اس پر علیحدہ کسی وقت بات کریں گے۔

ایک معزز رکن : ڈاکٹر نورجہاں پانیزئی صاحبہ کو بھی سن لیں جی۔

جناب چیئرمین : ان کی بھی سن لیں گے۔

The House is adjourned to meet again tomorrow at 9.30 A.M.

****

[The House is adjourned to meet again at 9.30 A.M. on Thursday, February the 25th, 1993]

****

PCPPI—331 (96) Senate—14-3-96—180.